UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224261

UNIVERSAL
LIBRARY

جامعہ عثمانیہ

اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر آصف سابع

نیر صبح دکن

سالگرہ کا

فہرست تصاویر

(۱) حضرت اقدس و اعلیٰ (۲) حضرت ولیعہد بہادر (۳) حضرت معظم جاہ بہادر (۴) حضرت نواب بسالت جاہ بہادر
(۵) حضرت صلابت جاہ بہادر (۶) حضرت آصف جاہ اول (۷) حضرت نظام علیخاں آصفجاہ ثانی (۸) حضرت غفران مکان (۹) مہاراجہ کشن پرشاد بہادر
(۱۰) عثمانیہ عدالت العالیہ (۱۱) عثمانیہ جنرل ہسپتال (۱۲) ٹاؤن ھال (۱۳) چمن افضل گنج ....

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نذر عقیدت	از شریک مدیر	۲
۲	کلام بلاغت	نظام خسرو دکن اعلیحضرت بندگانعالی	۳
۳	غزل	از شاہزادہ عالی وقار نواب کاظم جاہ بہادر	۴
۴	غزل	از شاہزادہ عالی وقار نواب حشمت جاہ بہادر	۴
۵	غزل	از شاہزادہ عالی وقار نواب تقی جاہ بہادر	۵
۶	غزل	از شاہزادہ عالی وقار نواب بشارت جاہ بہادر	۵
۷	غزل	از ہز اکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر	۶
۸	غزلیات برطرح حضور پرنور	از نواب ضیا یار جنگ بہادر از مختلف الشعرا	۰
۹	سوانح اعلیحضرت بندگانعالی	از سید احمد اللہ صاحب قادری	۱۲
۱۰	بادشاہ (نظم)	از جناب محمد عبد القیوم خانصاحب ایم اے	۱۴
۱۱	قصیدہ بتقریب سالگرہ	از مولوی مسعود علی صاحب محوی	۱۵
۱۲	تہنیت جشن سالگرہ مبارک	از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل	۱۷
۱۳	پر از نور است جام یاسمینش	از مولانا عبد اللہ عمادی	۱۸
۱۴	ہدیہ مسرت (نظم)	از جناب صالح بن عمرو صاحب وفا	الف
۱۵	پرواز مسرت (نظم)	" " " "	ب
۱۶	قصیدہ تہنیت سالگرہ مبارک	از جناب کپتین محمد اعجاز علی صاحب شہرت	۱۹
۱۷	نواب آصفجاہ اول کی مملکت	از مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب	۲۰
۱۸	صوبہ برار کی آئینی مشکلات	از جناب سید مبین الرحمن صاحب	۲۴
۱۹	دولت آصفیہ کی گذشتہ عظمت و شوکت	از جناب ابو الاعلیٰ صاحب مودودی	۲۸
۲۰	آصف جاہ ہفتم کی یاد میں	از مولانا ظفر علی خاں	۲۹
۲۱	درس آزادی	از جناب حکیم آزاد صاحب انصاری	۳۰
۲۲	پرچم آصفی	از جناب قاضی ابن نظر صاحب نیر	۳۳
۲۳	شاعری کی ماہیت	از ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب پی ایچ ڈی	۳۷
۲۴	قصیدہ بتقریب سالگرہ مبارک	از جناب ابو سعید محمد عبد القادر صاحب رونق	۳۸
۲۵	سوسائٹی میں عورت کا درجہ	از محترمہ اختر سلطانہ صاحبہ	۴۱
۲۶	بہار سالگرہ مبارک	از جناب محمد اشرف صاحب ضوی	۴۴
۲۷	تہنیت (نظم)	از جناب شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی ناظر ادبی دار الترجمہ سرکار عالی	۴۵
۲۸	عورت کی زندگی	از محترمہ رضیہ بانو صاحبہ	۴۷
۲۹	دعا و تاریخ	از جناب ابو الکلام محمد عبد البصیر متقی صاحب آزاد	۴۸
۳۰	ایک حل طلب سوال	از جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد عدالت کوتوالی	۵۱
۳۱	کیا دنیا مطمئن ہے	از جناب عبد القیوم خانصاحب باقی	۵۲
۳۲	حیدرآباد کی صنعتی پستی	از جناب حبیب اللہ صاحب رشدی مدیر نظام گزٹ	۵۳
۳۳	قطعات تاریخ بہ تہنیت شادی شاہزادگان بلند اقبال	از جناب سید اسد اللہ صاحب بسمل	۵۹

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس
چھاپہ ملینار حیدرآباد دکن

نذرِ عقیدت

"صبح دکن" اپنے اس امتیاز خاص پر نازاں ہے کہ **خسروِ شیریں سخن حضور پرنور اعلیٰحضرت بندگانعالی** نے ہمیشہ اسکی عزت افزائی فرمائی اور انہی الطاف خسروانہ کی بدولت آج وہ پھر سالگرہ نمبر پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہے۔ حضور پرنور کی عنایت کردہ طرح پر شعراء دکن کی غزلوں کا مجموعہ اور خود حضور پرنور اور شہزادگان بلند اقبال کی فرمودہ غزلیں اس نمبر کی زیب و زینت ہیں جس کا نام ذات شاہانہ نے "**سالگرہ نمبر**" رکھا ہے۔ محبت و عقیدت کا یہ مرقع ہماری کوششوں کا نقش ثانی ہے۔ ہمیں ٹھیک طور پر علم نہیں کہ ہماری ان ناچیز کوششوں نے اہل ملک پر کیا اثر کیا یہاں یہ واضح کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ اس سلسلہ میں ہمارا مطمح نظر کیا رہا ہے ایشیائی ممالک میں ایک مرکزی شخصیت ہی ذ علمی ... نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نظریہ جمہوریت کے اس عالمگیر دور میں کوئی جاذبیت نہ رکھتا ہو لیکن تاریخ حقائق و معارف کی ان داستانوں کو محو نہیں کر سکتی کہ شخصی حکومت کا دور بھی بہت شاندار رہا ہے۔ اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں اسی مرکز واحد کے دامن میں پروان چڑھی ہیں

حضرت آصفجاہ اول کے عہد حکومت سے ابتک حیدرآباد نے اپنے تاجداروں سے جس محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے اسکی کہیں اور نظیر نہیں ملسکتی۔ ہمارے شاہ ذیجاہ کی بہترین حکمرانی نے تو دکن کے باہر بھی اپنی عظمت و شوکت کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ محبت و عقیدت کا یہ رنگ ایک طرح تو بہت گہرا ہے لیکن نظر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خارجی اثرات اور امتداد زمانہ کی وجہ سے یہ ہلکا ہو گیا ہے، اہل دکن اب بھی اپنے تاجدار سے غیر معمولی محبت رکھتے ہیں لیکن ملک و مالک پر فدا ہو جانے کی وہ اسپرٹ باقی نہیں ہے جو دکن کی گذشتہ عظمت و شوکت کو پھر دنیا کے سامنے پیش کر سکتی ہے، ہماری یہی آرزو رہی ہے کہ حیدرآباد کسی حالت میں بھی اس مرکز اعلیٰ کا دامن نہ چھوڑے اور فداکاری کے اس جذبہ کو پیدا کرے جو حیدرآباد کے سیاسی مستقبل کیلئے ضروری ہے ہمیں اپنی انفرادیت قائم رکھنی ہے ہماری تہذیب و تمدن، ہمارا کلچر اور ہماری قومی روایات کا تحفظ ضروری ہے، ہندوستان کا آئینی نظام خواہ کوئی صورت اختیار کرلے اگر ہم میں ملک و مالک پر نثار ہونے کی اسپرٹ پیدا ہوگئی تو پھر یہ تاریخ دکن کا زرین و دلکش باب ہوگا اور حیدرآباد آزاد ممالک کی صف میں اپنی جگہ نکال لیگا

ایکطرف تو ہم نے بساط بھر کوشش کی ہے کہ تاجدار دکن سے وفاداری و عقیدت کا موجودہ جذبہ بہت گہرا ہو جائے اور جانثاری اور ملک کی خدمتگذاری کے ذریعے سربلند ہو جائیں اور دوسری طرف ملک کے ان سیاسی اور سماجی رجحانات کو اہل ملک کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں جو ہماری قومی ترقی کیلئے ضرور قابل توجہ ہیں یہ حیدرآباد کی خوش قسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ قدرت نے اسے ایک ایسا تاجدار بخشا جسکی بیدار مغزی عدل گستری اور روشن خیالی کے خوبصورت نقش و نگین سرزمین دکن کو جنت نظر بنا رہے ہیں علم و عمل کے چشمے بہہ رہے ہیں اور نظر ہر طرف ترقی اور زندگی کے نقشے دیکھ رہی ہے ہر محب وطن جب آرزوؤں اور تمناؤں کی ایک دنیا لئے ہوئے اپنے تاجدار کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کا سر محبت اور عقیدت کے جوش میں بے اختیار جھک جاتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والے نغمے خدائے قدوس کی بارگاہ میں تڑپ تڑپ کر دعا کرتے ہیں کہ "اے خدا! اسے ہمارے سروں پر قائم رکھ" غرض محبت و عقیدت کے والہانہ مظاہرے ایک دفعہ نہیں، ہزاروں دفعہ ہو چکے ہیں

آج کا روز سعید محبت و عقیدت کے مظاہرے کا دن ہے، حضور پرنور کی اڑتالیسویں سالگرہ پر سرزمین دکن کا چپہ چپہ خوشی مناتا ہے لیکن اس دفعہ اہل ملک کو دوہری سعادت نصیب ہوئی ہے اور حیدرآباد پر مسرت و نشاط کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، ایکطرف تو وہ اپنے دلعزیز تاجدار کی سالگرہ پر شاداں ہیں اور دوسری طرف اپنے محبوب شاہزادوں کی خانہ آبادی پر فرط مسرت سے بیتاب۔ آج کے روز فرانس کی سرزمین میں شاہزادگان بلند اقبال کا عقد ہو رہا ہے، مسرت و انبساط کا یہ کیف آور سماں ہماری نظروں سے دور ہے لیکن ہمارے دل حیدرآباد میں نہیں فرانس میں ہیں اور اور اس مسرت آگیں لمحوں سے برابر متاثر ہو رہے ہیں۔

"صبح دکن" اپنے محبوب تاجدار کی خدمت میں محبت و عقیدت اور مسرت کا یہ حقیر ہدیہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ

وفاکیش

علی اشرف

۷۸۶
۴۹۲

غزل

ع

از خسرو شیرین سخن حضور پرنور اعلیٰحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

مطلع

مشو غافل ز چشمِ سرمگینش — مباش ایمن ز لعلِ آتشینش
گل و ریحان و لالہ یاسمن ہم — حیا کردہ ز چشمِ نرگسینش
چو آئینہ خطِ پیشانیٔ خلق — مجلّا ہم مصفّا از جبینش
ہمہ گلزار و ایوان و بیاباں — معطّر شد ز جعدِ عنبرینش
خوشا عشقم کہ او بر لوحِ سینہ — نمودہ مہر از خالِ حسینش
قدح ہم کاسہ اندر بزمِ مستاں — لبالب از زلالِ انگبینش

مقطع

پناہ از سحرِ زلفِ یار عثماں
حذر از زہرِ مارِ آستینش

غزلیات بر طرح اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

از نتیجۂ فکر شاہزادہ عالی قدر نواب کاظم جاہ بہادر المتخلص بہ کاظم

مرا بخشید جاں رُوے حسینش — دل مَن بُرد زلفِ عنبرینش
خجل سازم غزالانِ ختن را — کُنم چوں وصفِ چشمِ سُرمگینش
بدہ ساقی شرابِ ارغوانی — کہ آمد یاد رُوئے آتشینش
زند زلفِ دُوتا حلقہ بہ ساعد — حذر باید زمارِ آستینش
گریباں می دَرد ہر غنچۂ گُل — زرشکِ دیدہائے نرگسینش
خوشم آید زمدح و ذَم برابر — بہ بینیم نیش اندر انگبینش
بہ بیں کاظم چہا خورشید و ماہ اند — مُجلّا ہم مُصفّا از جبینش

(از شاہزادۂ عالی قدر نواب حشمت جاہ بہادر المتخلص بہ حشمت)

خجل نرگس زچشمِ سُرمگینش — فدا سُنبل بزلفِ عنبرینش
شفا بخشند آں لبہائے جاں بخش — کند بیمار چشمِ نرگسینش
کہ داند سرِ نوشتِ خود خدایا — چہ پنہان است در خطِ جبینش
سلامت ساقیا جامت کہ از ما — بَرد سوزِ دل آبِ آتشینش
جہانے شد ہلاک از زلفِ پیچاں — حذر اے دل زمارِ آستینش
کلامِ تلخ و آں لبہائے شیریں — چہ زہر آمیختہ در انگبینش

مُنوّر گشت حشمت ہر دو عالم
زنورِ مُصحفِ رُوئے حسینش

از شاہزادۂ عالی قدر نواب تقی جاہ بہادر المتخلص بہ تقی

جہان تیرہ ز چشمِ سرمگینش
فغان از دیدہائے نرگسینش

خطا در زلزلہ لرزاں ختن ہم
ز پیچ و تابِ زلفِ عنبرینش

حیاتِ خضر نذرِ لعلِ شیرین
دمِ عیسیٰ نثارِ انگبینش

شرابِ ناب را دو آتشہ کرد
کفِ او از حنائے آتشینش

نہ از خود آئنہ این تاب دارد
مجلّا ہم مُصفّا از جبینش

دلے دارم مُرقّع ہم مُرصّع
ز خال و خط لب و روئے حسینش

گل افشانیٔ چشمِ تر تقی را
نماید چوں بہارِ آستینش

از شاہزادۂ عالی قدر نواب بشارت جاہ بہادر المتخلص بہ بشارت

غزل بر صنع نعت

مپرس از دیدہائے نرگسینش
کہ ما زاغ ست چشمِ سرمگینش

بود والشمس آں روئے منوّر
چو واللیل ست زلفِ عنبرینش

بگوید العطش ہر کس کہ در حشر
شود سیراب جامِ انگبینش

عدیلش کے سہیل و مہر باشند
کہ نورِ ایزدی ریزد جبینش

چہ مہر و مہ چہ شمعِ طور۔ ہر یک
شدہ پروانۂ روئے حسینش

یدِ بیضا اگر می داشت موسیٰ
کند صد نور پیدا آستینش

بشارت برگِ گل دارد چہ نسبت
از آن بے مثل لعلِ آتشینش

از ہز ایکسلینسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاد صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

شدم مفتونِ چشمِ سرمگینش — دلم شد کشتۂ چینِ جبینش
ز وصفِ حسن مستغنیست ذاتش — ہمانا کس نمی خواند حسینش
لبِ نازک ببخشد جان تازہ — کند بیمار چشمِ نرگسینش
زہے واعظ کہ داغ مے بدیدم — ہمہ بر دامن و بر آستینش
نہادم بر لبِ جاناں لبم را — شدم شکر شکن از انگبینش
کند دعویٰ بے جا نافۂ مشک — کجا نسبت بہ زلفِ عنبرینش

چو دزدیدہ نگاہے می کنم شاد
دلم ترسد ز چشمِ خشمگینش

دیگر

شبم شد روز از نورِ جبینش — دلم روشن ز حرفِ دلنشینش
حیاتِ تازہ دریابم گر آں شوخ — کشد مارا ز دستِ نازنینش
بہم نتواں جدا شد از لبِ یار — چہ لذت یافتم از انگبینش
مرا دیوانۂ خود خواند یارم — بجوش آمد جنونم از یقینش
بسانِ سنبلستاں زلفِ یار است — کہ عنبر از فلک شد خوشہ چینش
چہ اعزازی ز یزداں یافت احمد — کہ دربان گشت جبریلِ امینش
مثالِ ماہِ کامل گشت روشن — نشانِ سجدۂ تاباں بر جبینش
جدا از شاد ہرگز نیست یارش — دل است شیدا مکانِ او مکینش

غزلیات

بر طرح حضور پُرنور اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

مصرعہ طرح

مُجلّا ہم مُصفّا از جبینش

از علامہ نواب ضیا یار جنگ بہادر ضیاء

قطعہ

شہ آصف کہ احساں شیوۂ اوست
خدا بہتر کند دنیا و دینش

مسخر میتواں کردن جہاں را
کہ باشد اسم اعظم در نگینش

غزل

دلم بردست چشم سرگینش
گر آنخجر زند چین جبینش

من آں پروانۂ شمع بہارم
کہ گل ریزد زبان آتشینش

بتے دارم کہ یکتائے جہانست
چہ ایراں گر ہمی گوید حسینش

مجال طرۂ سنبل چہ باشد
کہ سر تابد ز زلف عنبرینش

دلم چوں شیشۂ انگور بشکست
خمار آلودہ چشم زگینش

نمیدانم کہ گشت ست ظالم
کہ خون تازہ ریزد زآستینش

ضیاء در چشم آں نجلت دنیا
کہ زہر آمیز باشد انگبینش

از حکیم مولوی مرزا قاسم علیبگ صاحب اخگر

بہار آمد چمن در آستینش
طرب میریزد از رنگ جبینش

نظر دزدید پنہا داشت نرگس
ز شرم دیدہائے سرگینش

چہ باد انگیخت اندر مشت خاکے
ہوای رنگ روئے آتشینش

طلسم حیرتست این صحن گلشن
چہ جادو داشت چشم نرگسینش

بگیر از لعل شیریں بوسہ چند
بدار دنیش نوش انگبینش

مشام جاں معطر کرد امشب
شمیم بوی زلف عنبرینش

نگارے ہست عدل شاہ عثماں
کہ ہتیار ندا اخگر خوش حسینش

از جناب عبد السمیع خانصاحب بی اے نکہت

فدا جانم باں روئے حسینش
جہاں حسن تابد از جبینش

بہر ذرہ متاع کیف پنہاں
خوشا تاثیر چشم نرگسینش!

زہے بزم نیازم لوحش اللہ!
ہزاراں ناز در چشم سرگینش

عنسم پروانہ با پروانہ تابد
جہاں سوز دنہ حسن آتشینش

حیات تلخ شیریں کام سازد
لب نوشین و ذوق انگبینش

ہمی نازم بخونبابہ فشانی
کہ می گریم بچشم آستینش

مشام جاں معطر گشت نکہت
خوشا سودائے زلف عنبرینش

از جناب میرزا علی رضا صاحب ماہر لکچرار فارسی سٹی کالج

تجلّی ہم مصفا از جبینش
فروزاں ہست حسن آتشینش
فدائے عشوۂ سحر آفرینش
نثار ناز چشم سرمگینش
دریدم دامن صبر و خرد را
مگر دستی زنم در آستینش
نشان صبح از رویش ہویدا
بود واللیل زلف عنبرینش
چو با عشاق آید در تکلم
چکد از لب نبات و انگبینش
کسوفی زد نہاں گردید خورشید
درخشاں چوں بشد نور از جبینش
کشاید عقدہائے جان ماہر
شمیم جعد زلف عنبرینش

از محمد اسمٰعیل شریف صاحب ازل مولوی کامل مدرس فوقانیہ محبوب نگر

عرق آلودہ خورشید از جبینش
خجل آہو ز چشم نرگسینش
بود تا حشر روح القدس مدہوش
ندارد تاب رخسار حسینش
ز سوز دل شرر پیداست در رنگ
جہاں تیرہ ز آہ آتشینش
کلامم مشک بیز و عطر بار است
کہ گویم وصف زلف عنبرینش
شفا در لعل لب دارد بہ بیماں
عسل شرمندہ شد از انگبینش
بہ نقصان بصر باشد چو چشم
نظر دارد بجاں سرمگینش
ازل دریا دگر گوہر بہا کرد
کہ خوں ریزد ز چاک آستینش

از مولوی محمد اشرف صاحب رضوی الہ آبادی

چو آمد کفر زلف عنبرینش
پرستش میکنم روئے حسینش
بہ فرق بدر دستار ہلالی
بذات شاہ ابروئے جبینش
تسلّی داد چوں لعل شکر خا
مزیل تلخیم شد انگبینش
دلم از ناوک دنبالہ شد ریش
ہدف چوں ساخت چشم سرمگینش
بہر دل چوں دگر آید کہ در دل
نشستہ مار زلف عنبرینش
چساں سیماب دل یابد قرارے
و ما آتش چو روئے آتشینش
بہ عثماں کن دعائے خیر اشرف
بماند زر فشاں چوں آستینش

از نواب مولوی محمد منور خان صاحب بہادر گوہر نائب خاندان کرناٹک اعزازی مجسٹریٹ مدراس

بود رشک مہ اختر جبینش
فدا سازد دل و جاں بر حسینش
رہید از دام غم آنکس کہ گردید
اسیر پیچ زلف عنبرینش
بگرد دل گر رود سیل سرشکم
شود آبی بہ موج آتشینش
نگہ افگند و برد اینک دل من
چہ افسوں داشت چشم سرمگینش
بوصف لعل او شد ہر کہ گویا
ز لب جوشد چو جوئے انگبینش
چو چشم اوست رشک نرگس باغ
نخواہم گفت دیگر نرگسینش
بوحشت آنقدر گوہر دریدہ
نہ باقی ماندہ جیب و آستینش

از جناب کپٹن محمد اعجاز علی صاحب شہرت

دل و جاں دادے چشم سرمگینش
سرو سودائے زلف عنبرینش
عیاں شد معنی واللیل والطور
ز زلف پر خم و روئے حسینش
دلم آئینۂ صورت نما شد
تجلی یافت از نور جبینش
مشو ایمن ز مکر و کید دشمن
کہ باشد خنجرے در آستینش
سوال وصل کردم داد دشنام
چہ لذت یافتم از انگبینش
مرا دادند و گشتم مست شہرت
دو جام مے ز چشم نرگسینش

از جناب میرزا فاروق علی صاحب صفوی وکیل ہائیکورٹ

تعال اللہ روئے آتشینش
جہاں برہم زیک چین جبینش
کند پیدا ز جنبش موج مستی
بوقت صبح چشم نرگسینش
فدا صد جان من بر زلف پیچ
کہ مستم کرد بوئے عنبرینش
خوشا آں پیکر حسن مجسم
خجل آہو ز چشم سرمگینش
حذر اے دل نمی بینی کہ پنہاں است
ہزاراں فتنہ اندر آستینش
شہ عثماں سر آرائے خوبی
سخن شیریں ز نطق انگبینش
دلم را رشک امین کرد صفوی
تجلی زار رخسار حسینش

از جناب میر عنایت علی صاحب قابل

فروغ حسن میگردد جبینش
مہ تابان است آں روئے حسینش
گہے معدوم گاہے کرد موجود
دو عالم از دو چشم سرمگینش
چرا واعظ کند از سجدہ منع ام
بتابد نور مطلق در جبینش
مہ و خورشید عالمتاب ششدر
بہ تنویر جبین آں حسینش
ز ساغر نیستم مخمور و بیخود
منم مست نگاہ نرگسینش
مشام ناز چارہ کن ز بلبل
نثار بوئے زلف عنبرینش
بہ ملک سیم و زر قابل رود کے
دکن پر از نبات و انگبینش

از جناب مشتاق حسین صاحب مشتاق

مجلا ہم مصفا از جبینش
بتابد مہر حسن آتشینش
بجو اہم ذرہ حسن دلاویز
ز گنج پر نبات و انگبینش
نگر یابد گہے قلب حزینم
بخنداند گہے روئے حسینش
دم انکار ہیش داور حشر
گواہ قتل من شد آستینش
چنیں خطے کہ یکساں دشمن و دوست
چہ شد از فیض عثماں انگبینش
گلہ دارد شمیم و نکہت گل
ز کیف بوئے زلف عنبرینش
سرم قربان شمشیر نگاہے
دلم مشتاق چشم سرمگینش

از جناب میر ولایت علی صاحب وفا

برآمد مہر از روئے حسینش
مجلا ہم مصفا از جبینش
ز خجلت بر نیاید نافۂ چیں
پریشں عقد زلف عنبرینش
چرا آہوئے وحشی رم نہ سازد
خجل گشتہ ز چشم سرمگینش
دو عالم را کند مخمور و مدہوش
خمار آلودہ چشم نرگسینش
جہانے بر اسیری شاہ نازد
متاع دو جہاں در آستینش
چکد چوں شربت عناب زاں لب
نگیں حیراں بود بر انگبینش

وفا در میکدہ پیر مغاں گفت
خمیر مئے ز رنگ آستینش

از میر غلام محی الدین علی خاں صاحب اخگر نبیرۂ قطب الملک

عیاں شوخی ز چشم نرگسینش
منور صورت انجم جبینش
ز عشق آں رقیب فتنہ پرداز
کہ باراں است چشم سرمگینش
دلم دیبا چہ مہر و وفا ہست
ستم غیر آشنا دلے حزینش
اثر کرد ایں قدر قلب حزینم
کہ بینم کیف ہائے آستینش
در اغیار و من ایں وجہ خصومت
چہ فتاں است چشم سرمگینش
خدا شاہد دماغ انس و جاں را
معطر کرد زلف عنبرینش

چہ باشد انکسار گریہ اخگر
کہ سوزانیدہ عشق آتشینش

از غلام محمد خاں صاحب ایجاد اخبار دعوان خوان عثمان علی خاں افندی

عروس دہر با روئے حسینش
بہ پائے شاہ می مالد جبینش
بر شک تاج عثمانی پر یث
ز روئے مہر رنگ آتشینش
جہان و تاجداران زمانہ
پرستاران چشم سرمگینش
نمی بینی کہ گرد و نست گرداں
بگردا گرد خال عنبرینش
دکن شاداب چوں باغ بہشت است
کہ دارد دخل زاب و انگبینش
عروج دولت و اقبال شہ باد
سلامت نونہالاں حسینش

خندد ایجاد دکن از مدح غیرے
کہ دارد مار زیر آستینش

از جناب مولوی سید حری حسن صاحب

بود شمس الضحیٰ روئے حسینش
شب وصل است زلف عنبرینش
نمودہ بوستاں حیدرآباد
چو شد جادو کناں روئے حسینش
چہ سلطانیکہ سلطان العلوم ست
مسیحائے ست چشم سرمگینش
ھو المنصور فی الآفاق طرا
ببیں مکتوب بر لوح جبینش
ز رویش آئینہ گردید پر آب
مجلے ہم مصفا از جبینش
غلام نادرم دینار او را
کند اعلام داغ آتشینش

شدہ چوں مرغزارے باغ عالم
چو وا شد چشمہائے سرمگینش

از جناب سید مظفر الدین صاحب قادری حقیر

مجلا ہم مصفا از جبینش
عدو سوزد ز تیر آتشینش
نہ سازم کیوں نثارش جان و دل را
کند مدہوش بوئے عنبرینش
جمال یار را بیند چوں عاشق
رود صبر و قرار از آستینش
نمی دانم مثال چوں رخ یار
لب لعلین او چوں انگبینش
صنم مست الست از لطف ربی
بصارت داد چشم سرمگینش
یکے ملک ہم دعا گویان عثمان
کنم جاں را نثار نرگسینش

الٰہی عمر و حشمت جاہ و ثروت
دو بالا کن سزد خلق حسینش

از جناب سید محمد حسین صاحب آزاد

بگو والشمس آں روئے حسینش
بخواں واللیل زلف عنبرینش
ببیں شمس و قمر را در شب و روز
مجلی ہم مصفا از جبینش
بحمد اللہ رسیدم چوں بہ گلشن
بمن افتاد چشم نرگسینش
"تو مستی و بکف شمشیر داری"
بگفتم دیدہ چشم سرمگینش
ندا آمد "شفاء رحمۃ للناس"
چشیدم من چو لعل انگبینش
شدم من خاک و دامن گیر گشتم
بدستم چوں نیامد آستینش

بشو از آفتاب حشر ایمن
بنوش آزاد آب آتشینش

از جناب سید حیدر حسینی صاحب اثیر مدرس مدرسہ طب یونانی سرکار عالی

سراپا ناز چشم سرمگینش
کمند انداز زلف عنبرینش
خجل سازد مہ کامل مہ نو
خمیدہ ابرو و روشن جبینش
شہ ما میر عثمان علیخاں
کہ نازد دہر بر تخت حسینش
نمودہ دامن ہر مستمندی
پر از بذل و نوال آستینش
الٰہی عمر و اقبالش فزوں باد
بود آفاق در زیر نگینش

منور شد دلم در بزم ساقی
اثیر از شرب جام آتشینش

از جناب سید غلام علی صاحب عجلی

خمارے دیدہ چشم سرمگینش
غزالاں سرشار از نرگسینش
پر از نور خدا انور محمد
دو عالم شد منور از جبینش
ببوئے خوان افتد در دلاہا
کہ چوں بگشائے جعد از عنبرینش
مرا آب دہن ساقی بہ بخشد
من اندانم فزوں از انگبینش

علی را نور یک نور مود احمد
تو لا شک نور عرفاں از جبینش

از جناب محمد عبدالسلام صاحب ذکی (عثمانیہ)

رخ عالم منور از جبینش — مہ و خورشید ہر دو خوشہ چینش
دہد جام مے حقانی دمادم — ادائے چشم مست نرگسینش
گرفتار ہوائے زلف یارم — کہ سرمستم ز بوئے عنبرینش
زباں در وصف او رطب اللسان است — مذاقم آشنا از انگبینش
بگلشن از تبسم آتشے زد — فدائے آں دو لعل آتشینش
بظاہر در لباس دیں است واعظ — ولے پنہاں بتے در آستینش

ذکی دل پر ز درد و اضطراب است
ز چشمان سیاہ سرمگینش

از جناب سید عابد حسین صاحب عابدی قمر

شب دیجور زلف عنبرینش — گل امید روئے آتشینش
شہ عثماں کہ آثار فتوت — مجلا ہم ہویدا از جبینش
غزالان ختن چشم مجسم — زہے دیدہ چشم سرمگینش
مبارکباد رضواں را در خلد — مرا کافی است چشم نرگسینش
چہ عجب نہ کم ز آب حیات است — نمی گیرم جوئے انگبینش

سیہ بختی شود دور از قمر چوں
فتد پرتو ز روئے مہ جبینش

از مولوی میر ہدایت محی الدین خانصاحب ناظم دار القضاء

چو والشمس آمدہ شرح جبینش — شدہ واللیل زلف عنبرینش
چہ توصیفش کنم نور علی نور — کہ مازاغ است چشم نرگسینش
ندیدہ گر کسے قتلم چہ پروا — شود ثابت ز رنگ آستینش
ترسندہ بترس اے ناخدا ترس — فلک سوز است آہ آتشینش
کند دیوانہ عاقل را خدائی — نگاہ ناز چشم سرمگینش

از جناب محمد عبدالرحیم رحیم منشی فاضل ہوم آفس

حیا پامال چشم سرمگینش — ادا قربان طرز نرگسینش
بجانم حلقہ زداں مار پیچاں — نہادم دل بزلف عنبرینش
بگو بد سحر انوار خورشید — کہ تابانم ز روئے آتشینش
نہ بینم مرا شمس و قمر را — مجلا ہم مصفا از جبینش
الٰہی آنچنانم دسترس دہ — کہ دستم در رسد تا آستینش
نہ من تنہا بخلش لب کشایم — کہ یک عالم ہمی خواند حسینش

رحیم آں لعل لب را زود دریاب
کہ دارد دل ہست ذوق انگبینش

از جناب محمد جبار خانصاحب جوہر مدرس سلوی

چوں بینم چشم مست نمکینش — کنم یاد گلستاں نرگسینش
خوشا باد صبا کردی معطر — ترا خوشبوئے زلف عنبرینش
ادائے او کند خون تمنا — دلا بیں زہر آلود انگبینش
نمی خواہم نگر گاہے نخواہم — رخ زیبا کمال آتشینش
بحمد اللہ دکن شاداب گشتہ — عیاں علم و ہنرہا از جبینش
دل دیوانہ را با آرزوہا — کنم قربان بر روئے حسینش

دل شوریدہ سر خوں گشت جوہر
نظر آمد چوں خالی آستینش

از جناب احتشام احمد صاحب اسد اسرائیلی وکیل

چمن چوں دید چشم سرمگینش — مبدل گشت رنگ نرگسینش
دل صد چاک ما گردید شانہ — پئے تزئین زلف عنبرینش
دلا با نازاں مشو بر عیش دنیا — کہ دارد تلخی غم انگبینش
زمین و آسمان و ماہ و انجم — مجلا ہم مصفا از جبینش

اسد دیوانہ شد در موسم گل
خبر آید ز جیب و آستینش

از جناب محمد رحمت اللہ خوشدل منشی فاضل نبیرہ باگ مال زمال

مجلا عرش از نور جبینش — نہ دیدم در جہاں ہمچو حسینش
خدا از چشم بد محفوظ دارد — بہ آں چشم نگاہ سرمگینش
شدم مخمور با صد عقل و دانش — من از مستی است نرگسینش
دل من خون بہائے من ہمیں است — بہ خوں آلودن آں آستینش
نہاں دارم بدل از چشم مردم — من آں تیغ نگاہ سرمگینش

بہ بستم ایں دل صد چاک خوشدل
بہر یک تار زلف عنبرینش

از ... رشید الدین خانصاحب عاملی خوشنویس پیشی خداوندی

چہ خوش طغرا است زلف عنبرینش — ز دست کاتب لوح جبینش
ز چشمانم مہ و خورشید افتاد — نظر کردم چو بر روئے حسینش
چو ذوق دید برق طور دارے — نظر کن سوئے چشم سرمگینش
ز خار حسرتم صد رخنہ پیدا است — ز داماں تا بجیب و آستینش
خیال جام مے از خاطرم رفت — چو دیدم دیدہائے نرگسینش
چہ تاب آرد دلم از جلوہ مے — کہ بیخود شد ز رنگ آتشینش
دلم چوں خوگر است از تلخی نیش — چہ باشد لذتے از انگبینش
ہمہ مگر آرت روئے ماہرویاں — مجلا ہم مصفا از جبینش

خوشم عاملی اگر بسمل شدم من
بہ تیغ ناز چشم سرمگینش

از جناب سید اعظم اللہ حسینی صاحب وکیل اطہر

خجل خورشید از روئے جبینش
قمر شرمندہ عرق گشتہ از جبینش

کجا آہو کجا ایں دلبر من
ندیدم مثل چشم سرمگینش

دماغ عاشقاں گشتہ معطر
پریشاں گشت زلف عنبرینش

بر آں شد ختم شیرینی عالم
چہ لب مندست لعل انگبینش

زبان خنجر قاتل بگفتہ
مگر زد نعرہ خوں آستینش

ستم تا کے کنی بر دل ستمگر
نمی ترسی ز آہ آتشینش

گل نرگس پئے نظارہ بشگفت
ببیں اطہر چہ چشم نرگسینش

از نواب ضیغم جنگ بہادر

زہے شاہ دکن روئے حسینش
خجل شمس است از آں جبینش

مہ و مہر اقتباس نور کردند
مجلّا ہم مصفّا از جبینش

گر دل برق را ابر سیہ کرد
نظر چوں گرد چشم سرمگینش

معطر تبت و چین و ختن شد
ز بوئے زلف مشک عنبرینش

فقط انسان خاکی نیست منقاد
مطیع اقوام جن و آتشینش

معطر چوں قمیص یوسفی کرد
گریبان قبا و آستینش

چو دشمن دید فوراً گشت مقتول
عجب سحر است چشم نرگسینش

چو شہ بیمار را ضیغم عطا کرد
شفا بخشید جام انگبینش

از جناب محمد دلاور شریف صاحب اولی وکیل

عیاں صبح سعادت از جبینش
شب قدر است زلف عنبرینش

جفائے کن نہ ناداں بر ضعیفاں
کہ سوزد چرخ از آہ آتشینش

مسرت در دل محزوں بہ بخشید
نگاہ مہر چشم سرمگینش

خداوند اشود حاصل بہ اولی
بہ محشر جلوہ روئے حسینش

از جناب معراج اول مددگار مدرسہ وسطانیہ کاماریڈی

چو خورشید است روئے آتشینش
مہ دو ہفتہ انوار جبینش

شدم بیہوش چوں افعی گزیدہ
شمیدم من چو زلف عنبرینش

مگر ہرگز دراز دست عنایت
تہی دامن گرفتہ آستینش

بہ گیتی فتنہ برپا گشت یکسر
عجب جادوست چشم سرمگینش

مرا حیرت شدہ بہر تماشہ
دلم را برد چشم نرگسینش

ز بہر سر خروئی سر نہادم
کشید آں شوخ چوں تیغ حسینش

جہاں معراج زنبور عسل گشت
کہ نیشش تلخ و شیریں انگبینش

از جناب محمد مصطفی حسین صاحب ضیا آصفی بی اے

عیاں برق تجلی از جبینش
ید بیضا نہاں در آستینش

کشد نقش مہ و ابر بہاری
رخ پر نور و زلف عنبرینش

ضیا بخش نظر درہائے دنداں
دوائے قلب لعل انگبینش

خدنگے بے خطا ہر دم ز مژگاں
بیندازد کمان سرمگینش

چہ داند قصۂ گبر و مسلماں
پرستار جمال آتشینش

نہ من تنہا سر شوریدہ دارم
دو عالم مست چشم نرگسینش

کلام آصفی گرد و مصفا
ز فیض عارض زردئے حسینش

از جناب علی بن احمد سدوسی مدرس مدرسہ محبوب نگر

فلک پر نور از نور جبینش
ملک شیدائے زلف عنبرینش

کند ہر لحظہ را عاشق خود
بہر گل بوئے زلف عنبرینش

بہ مئے مستی نبودے گر نبودے
برنگ بادہ رنگ آتشینش

لب لعل نگارم جاں بہ بخشد
ستاند جاں چو چشم سرمگینش

بہ ہجر یار سدوسی کند روز
گریباں پارہ و چاک آستینش

از جناب محمد مظہر علی صاحب ضیا مددگار مدرسہ وسطانیہ سندگی پیٹھ

غرور ناز و انداز حسینش
چکد ہم از نگاہ نرگسینش

دل برہم نہ باید شکل تسکیں
مگر در پیچ جعد عنبرینش

بسوزد خرمن صبر و قرارم
شرارے زاں عذار آتشینش

فغان بے صدا آید دمادم
بہ یاد چشم ہائے سرمگینش

نگنجد در فضائے ہر دو عالم
شعاع مہر تنویر جبینش

بہ ہر لب می زند مہر خموشی
لب شیریں چو ریزد انگبینش

ضیا چوں زہر غم نوشد نہ در ہجر
رگ گیسوست مار آستینش

از سید مقبول حسین صاحب طالب

طلوع بدر از نور جبینش
زہے باریکہ از روئے حسینش

فدا بودے زبر یوسف زلیخا
اگر دیدے بچشم سرمگینش

فدا جانم بہ لبہائے شکر ریز
تبا نار تلخی از انگبینش

ختن را فخر گر باشد بجا ہست
کہ بو گیرد زہ زلف عنبرینش

چرا طالب نہ گیری دست عثماں
کہ بر برج ہفتمیں در آستینش

از جناب عبد اللہ خاں صاحب کامل

منور عالم از نور جبینش
چہ خورشید و چہ روئے آتشینش

دو عالم را بہ حیرت می تواں زد
حیا آلودہ چشم سرمگینش

جہانے را کجا آرد بخاطر
اسیر بند زلف عنبرینش

بت طنّاز فارس حرف گیر است
نمی دانم چساں گویم حسینش

چمن مخمور صہبائے نگاہے
چکد مستی ز چشم نرگسینش

خدایا شاہ عثماں را نگہدار
کہ دست غیب دارد آستینش

ہمیں تریاک زہر نارسائیست
شفا بخشد بہ کامل انگبینش

تمت

سوانح عمری اعلیحضرت سلطان العلوم خسرو دکن میر عثمان علیخان بہادر مد ظلہ

از

جناب سید احمد اللہ صاحب قادری

ہمارے بادشاہ حضرت اقدس و اعلیٰ دنیا کے ان تاجداروں میں ہیں جن کی زندگی ملک اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہے آپ کا خاندان تاریخ ہند میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور بلحاظ نسب خیال کیا جاتا ہے، اور سلسلہ باپ کی جانب سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات پر منتہی ہوتا ہے۔ صوفیائے اسلام کے مشہور پیشوا شیخ شہاب الدین سہروردی آپ کے اجداد سے تھے، آپ کی تیرھویں پشت میں ایک مشہور بزرگ خواجہ اسمٰعیل گزرے ہیں، جو سمرقند کے رہنے والے اور اپنے زمانے کے بہت زبردست عالم و متقی تھے، وہاں کے حاکم نے علم و فضل کے باعث آپ کو "ملک العلماء" کا خطاب دے کر شہر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ آپ کے زہد و اتقاء کی اس قدر شہرت تھی، کہ ماوراء النہر کے تمام فتوے آپ کے پاس آیا کرتے تھے، اور شرعی معاملات میں حکومت خود آپ ہی سے استمزاج کیا کرتی تھی، خواجہ صاحب کے دو فرزند بہاؤ الدین اور خواجہ عابد علیخاں تھے، جب آپ نے وفات پائی تو قضاوت کی خدمت بڑے صاحبزادے کو ملی اور چھوٹے فرزند خواجہ عابد ہندوستان چلے آئے، اس زمانہ میں ہندوستان پر شاہجہاں حکمراں تھا۔ اس نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی اور چہار صدی کا منصب عطا کیا۔

اورنگ زیب عالمگیر جب دکن کا صوبہ دار بنایا گیا تو بادشاہ نے آپ کو شہزادے کے ساتھ دکن روانہ کیا۔ بعد میں قلیچ خاں کے خطاب اور منصب ہزاری سے سرفراز کئے گئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دیبالپور کی صدارت بھی ملی۔

قاسم خاں اور جسونت سنگھ کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کے جو معرکے ہوئے ہیں۔ اس میں آپ شریک تھے، اور بڑے بڑے کارہائے جلیلہ انجام دیے تھے، شاہجہاں نے اس کے صلہ میں صدارت کل اور سہ ہزاری منصب دی تھی،

اورنگ زیب جب سنہ ۱۰۶۸ھ میں خود مختار ہوا۔ تو آپ کو اجمیر کا صوبہ دار بنا دیا۔ تقریباً نو سال تک اس خدمت پر فائز رہے، بعد میں بادشاہ سے اجازت لے کر حج کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ یہ سفر تقریباً چار سال رہا جب واپس ہوئے تو بادشاہ نے صدارت کے عہدے پر پھر مامور کر دیا

سنہ ۱۰۷۶ھ میں بادشاہ نے منصب میں ایک ہزار کا اضافہ کیا۔ اور ظفرآباد کی صوبہ داری عطا کی۔ سنہ ۱۰۹۵ھ میں اورنگ زیب جب ابوالحسن تانا شاہ کی سرکوبی کے لئے گولکنڈہ آیا۔ تو آپ بھی پانچ ہزار سوار لیکر گولکنڈہ چلے آئے۔ عین معرکہ میں آپ کے سیدھے ہاتھ کو گولہ لگا جس کے صدمے سے تیسرے روز انتقال فرمایا۔ اورنگ زیب کو آپ سے بیحد خلوص تھا اسلئے انتقال سے سخت متاثر ہوا۔ علالت کے دوران میں بادشاہ اپنی جانب سے نواب عمدۃ الملک کو عیادت کی خاطر برابر بھیجا کرتا تھا شاہی طبیبوں کو معالجہ کے لئے مقرر کیا تھا۔ آپ کا مزار اب تک گولکنڈے کے دامن میں موجود ہے،

نواب شہاب الدین خاں آپ کے فرزند ہیں جو ترقی کرتے کرتے ہفت ہزاری منصب تک پہنچ گئے تھے، سنہ ۱۰۹۰ھ میں جب شہزادہ محمد اعظم باغی ہو گیا۔ تو بادشاہ نے سرکوبی کے لئے آپ کو مقرر کیا۔ اسی سال جب شہزادہ تسخیر بیجاپور پر بھاگا تو آپ نے رسد کی فراہمی میں بڑی دانشمندی کی تھی، اس کارگزاری کے صلہ میں بادشاہ نے فیروز جنگ کا خطاب دیا

اورنگ زیب کے وفات پانے کے بعد بہادر شاہ نے آپ کو سنہ ۱۱۱۸ھ میں گجرات کا صوبہ دار بنادیا ۱۱۲۲ھ میں احمد آباد (گجرات) میں انتقال فرمایا۔ یہاں سے نعش دہلی میں لائی گئی۔ اور آپ ہی کے تعمیر کرائے ہوئے مقبرہ میں سپرد خاک کی گئی۔

شاہجہاں بادشاہ کے مشہور وزیر اعظم نواب سعد اللہ خاں علامی کی دختر وزیر النساء بیگم آپ سے منسوب تھیں جن کے بطن سے نواب قمر الدین خاں بہادر آصفجاہ اول ۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۰۸۲ھ کو پیدا ہوئے،

شہنشاہ اورنگ زیب نے آصفجاہ کو کوکن کی فوجداری دی تھی، اس کے بعد سنہ ۱۱۱۲ھ سے سنہ ۱۱۱۶ھ تک مختلف اوقات میں بلگام ساگر، مدگل، رائچور پر فوجدار رہے،

سنہ ۱۱۱۸ھ میں بادشاہ نے بیجاپور کا صوبہ دار مقرر کیا۔ شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں اودھ کی صوبہ داری سے سرفراز کئے گئے، اور بادشاہ کی جانب سے

مراد آباد کا علاقہ بطور جاگیر ملا،

فرخ سیر نے سات ہزاری منصب دیکر دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس کے بعد کئی عہدوں پر مامور رہے، بعد میں پایہ تخت کے وزیر اعظم ہوگئے، نادرشاہ نے جب دہلی پر حملہ کیا تو آپ ہی کی کوشش سے دہلی تباہ ہوتے ہوتے بچ گئی۔ نادرشاہ نے ہندوستان کا تخت آپکو دینا چاہا۔ لیکن آپ نے انکار فرمایا۔

۱۱۳۵ھ میں محمد شاہ نے آصفجاہ کا خطاب اور دکن کی سلطنت کے فرمان سے عزت بخشی،

سلطنت آصفیہ کا سنگ بنیاد آپ ہی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا تھا۔ وفات سے قبل جنوب میں مملکت آصفیہ رامیشورم تک پھیلی ہوئی تھی، اس کی شمالی حد دریائے نربدا تھی، ساحل معبر، اڑیسہ، بلگام، وغیرہ سب آپ ہی کے زیر نگین تھے،

ہمارے آقائے ولی نعمت اسی خاندان کے چشم و چراغ، اور ساتویں فرمانروا ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ م ۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوئی، پانچ سال کی عمر میں بسم اللہ کی رسم بڑے اہتمام سے عمل میں آئی۔ حضرت غفران مکان کو آپ کی تعلیم کا خاص خیال تھا۔ مذہبی تعلیم کے لئے مولوی انوار اللہ خاں صاحب کو منتخب فرمایا فارسی کے لئے آغا سید علی شوستری اور نواب عماد الملک بہادر مقرر ہوئے، انگریزی درس مسٹر ایجرٹن دیا کرتے تھے، آپ تینوں زبانوں کے زبردست عالم ہیں۔ نواب سر افسر الملک بہادر سے فوجی تعلیم حاصل کی، گھوڑے کی سواری اور نشانہ بازی میں بڑی اچھی مہارت ہے،

حضرت غفران مکان نے عملی تجربات حاصل کرنے کے لئے خاص انتظام فرمایا تھا۔ اور بعض اوقات اپنے ساتھ رکھتے تھے، غفران مکان ۱۹۰۶ء میں والسرائے سے ملاقات کرنے کلکتہ تشریف لے گئے۔ تو آپ بھی ہمراہ تھے، اور آپنے بھی ملاقات کی۔ ۱۹۰۳ء میں ایڈورڈ کی تاجپوشی میں بھی شریک تھے،

۱۳۲۴ھ میں نواب جہانگیر یار جنگ بہادر کی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہوا۔ ۱۸ محرم ۱۳۲۵ھ کو بڑے شہزادے ۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ کو چھوٹے شہزادے تولد ہوئے۔

۱۸ رمضان ۱۳۲۹ھ م ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو ستائیس سال کی عمر میں جلوس فرمایا۔ ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہارڈنگ والسرائے حیدرآباد آئے تو سرکار نے ان کے لئے بڑا اچھا انتظام کیا تھا۔ انہوں نے سرکار کی بیدار مغزی، عدل و انصاف اور بے تعصبی کی بڑی تعریف کی ہے،

ہمیشہ سے سرکار انگریزوں کے بڑے خیرخواہ ہیں۔ اسی بناء پر یار وفادار کہلاتے ہیں، جنگ عظیم میں سرکار نے انگریزوں کی جو مدد کی تھی، اسے یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے، انگریزوں سے سرکار کے دوستانہ تعلقات بہت قدیم زمانہ سے وابستہ ہیں۔ آپ کے اجداد نے بھی ان کی بڑی اعانت کی تھی،

سرکار کے ہمیشہ یہ مطمح نظر رہا ہے کہ ملک کو فروغ ہو اور یہ دنیا کے متمدن شہروں میں شمار کیا جائے، اس کا سب سے بڑا ذریعہ عام تعلیم ہے، اسی بناء پر آپ نے ۴ رجب ۱۳۳۵ھ م ۲۶ اپریل ۱۹۱۷ء کو عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی منظوری صادر فرمائی، یہ یونیورسٹی مشرق اور مغرب میں اپنے طرز کی ایک ہے اس نے اتنی قلیل عمر میں جو ناموری حاصل کی ہے، آج ہندوستان کے کسی قدیم سے قدیم جامعہ کو مسلسل جد و جہد کے بعد وہ اعزاز نصیب نہیں ہوا۔ اس کے فیضان علم سے ہر ملک و ملت کے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

یونیورسٹی کے ماتحت ایک شعبہ تالیف و ترجمہ آبان ۱۳۲۶ف م ستمبر ۱۹۱۷ء میں قائم ہوا ہے۔ جس نے اب تک سو زیادہ کارآمد کتابیں اردو میں تالیف و ترجمہ کی ہیں اسی تحریک کی برکت ہے، کہ حیدرآباد آج اردو کے حامیوں میں سب سے آگے ہے،

محکمہ آثار قدیمہ بھی آپ ہی کے عہد میں ۱۳۲۳ف م ۱۹۱۴ء میں وجود میں آیا ہے،

علیگڈھ کالج، جامعہ ملیہ، انجمن ترقی اردو اور دار المصنفین کو یہاں سے بیش قرار وظیفے ملتے ہیں۔ حیدرآباد کی جانب سے ٹیگور کے جامعہ کو ایک لاکھ روپیہ اور مسٹر آرایس داس کو ان کی جدید تعلیم کی اسکیم کے لئے دو لاکھ روپیے دئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مشہور مصنفین اور شاعروں کو بڑے بڑے وظیفہ اور عطیے دئے جاتے ہیں۔ انجمنوں اور غریب مستحقین کو ایک کثیر تعداد میں تنخواہیں مقرر ہیں سرکار کا فیض عام دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک برابر جاری ہے

محکمہ آرائش بلدہ آپ کے جلوس کے دوسرے سال ڈسمبر ۱۹۱۳ء کو قائم ہوا ہے اس نے شہر میں جدید اصول پر بہت سی عالیشان عمارات تعمیر کیں۔ اور تنگ و کوتاہ راستے نہایت فراخ اور وسیع بنائے، نامپلی، ملک پیٹھ اور مغل پورہ میں کئی سو مکانات رعایا کے آرام کے لئے تعمیر کئے گئے۔

حیدرآباد کے عظیم الشان ہائیکورٹ اور سٹی کالج کی عمارات پر تقریباً انتیس لاکھ بچاسی ہزار چارسو ستر روپیہ صرف ہوئے ہیں۔ دواخانہ افضل گنج جو وسعت میں ہائیکورٹ سے بھی زیادہ ہے اس پر آٹھ لاکھ ستر ہزار چھ سو سات روپیہ کا صرفہ آیا ہے اور اسی عہد فرخندہ مہد کی یادگار ہے

دریائے موسی کے کنارے کتب خانہ آصفیہ کا عظیم الشان مکان تعمیر ہوا ہے۔ باغ عام کی چھوٹی مسجد اور نمایش گاہ خاص سرکار کی بنوائی ہوئی ہیں۔

اب عثمانیہ یونیورسٹی کے لئے ایک ایسی عمارت تعمیر کرنے کی تجویز ہے، جو اس عہد کی ایک بے مثل یادگار ہوگی، اس کے لئے سرکار کی جانب سے دو انجینیر دنیا کی عمارات کے نقشے دیکھنے کے لئے بھیجے گئے تھے، جو اب آگئے ہیں۔ عنقریب میں اس کی تعمیر کا آغاز ہو جائے گا۔

رعایا کے آرام کی خاطر حمایت ساگر اور عثمان ساگر کے عظیم الشان تالاب بنائے گئے ہیں جس میں کئی لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے، نظام آباد میں ایک بہت بڑے بند کی تعمیر ہو رہی ہے جس کے لئے کئی لاکھ ایکر زمین خریدی گئی ہے، جب یہ مکمل ہو جائیگا تو ہندوستان میں واحد تالاب ہوگا۔

حیدرآباد میں جو ریل چلتی ہے وہ کمپنی کو ایک معین زمانے کے لئے دی گئی تھی ۱۹۳۰ء میں سرکار نے کئی کروڑ روپیہ دے کر واپس لے لیا ہے،

۱۷ نومبر ۱۹۱۹ء سے مدار المہامی کا عہدہ منسوخ کر دیا گیا ہے، اس کے عوض میں حسب فرمان خسروی اگزکٹیو کونسل بنائی گئی ہے،

افتتاح یونیورسٹی کے بعد آپ کو یونیورسٹی کی جانب سے سلطان العلوم کا خطاب پیش کیا گیا

ابتداً حیدرآباد میں تحصیلداروں کو دیوانی و فوجداری کے اختیارات دئے گئے تھے، مگر اس سے سخت بدامنی پیدا ہو گئی تھی، اب ہر ضلع میں عدالت کی جانب سے منصف مقرر ہیں۔ تحصیلداروں کو صرف مال کے اختیارات حاصل ہیں۔

ان عظیم الشان تغیرات سے ملک نے بہت کچھ ترقی کرلی ہے۔ اور اس نے رعایا کی داد خواہی کے لئے کئی نئے باب کھولدے ہیں اور ان جدید آئین سے ملک میں ایک تازہ روح پھونکی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ دہلی تشریف لے گئے تھے وہاں آپ کا بہت شاندار طریقہ پر خیر مقدم کیا گیا، وہ ہندوستان کیلئے ایک یادگار دن ہے، دہلی سے واپسی کے بعد کلکتہ اور مدراس کا بھی سفر فرمایا۔ خاصکر مدراس کے مسلمانوں نے بڑے خلوص و عقیدت سے استقبال کیا اور کئی ایڈریس گذرانئے۔

حضرت اقدس دامِلی بہت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر عہد سعادت کا زمانہ یاد آتا ہے، خدا آپ کو ہمارے سر پر مدت مدید تک سلامت رکھے (آمین ثم آمین) آپ کا سایہ ہمارے لئے آیہ رحمت ہے۔

شہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

بادشاہ

از جناب محمد عبدالقیوم خاں صاحب باقی ایم اے ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ

آ بتاؤں تجھے اک رازِ حقیقت اے دل
تو اگر رہروِ گم گشتۂ تقدیر نہیں

آج کیوں عالمِ فانی ہے قیامت بردوش
کیوں اسے امن کی ملتی کوئی تدبیر نہیں

وحدتِ علم و عمل، خواب ہے اس دنیا کا
اور اس خواب کی پیدا کوئی تعبیر نہیں

جب تلک علم و یقین، ایک ہی مرکز پہ نہو
عقل پر زور نہیں، آہ میں تاثیر نہیں

منتشر قلب ہے پامال پریشاں نظری
اور سمجھتا ہے کہ گردن تہِ شمشیر نہیں

ہے کم و بیشِ عمل، ایک توازن کی جھلک
اور توازن ہی کی دل میں کوئی تصویر نہیں

عرصۂ جنگ میں جب حافظِ جان ہے کوئی
خوف کیا ہے کوئی ترکش میں اگر تیر نہیں

عدل و انصاف ہے، اک ثالث و حاکم کا عمل
عدل و انصاف سے بڑھ کر کوئی توقیر نہیں

آیۂ کُن فیکوں، حکم ہے پیدائش کا
اور حکومت ہی یہاں مرکزِ تعمیر نہیں

خود فراموشی و خود غرضیٔ عالم ہے یہ
قوم کے ہاتھ میں خود قوم کی تسخیر نہیں

یاد ہیں مجھ کو اشوک اور وہ مامون و رشید
صفحۂ دہر پہ جن کی کوئی تصویر نہیں

قوم اگر ان کی حکومت کو بھلائے دل سے
قاسم و اکبر و ہارون کی تقصیر نہیں

غور سے دیکھ کہ اک مرکزِ واحد کے سوا
دو جہاں اور کہیں بستۂ زنجیر نہیں

بادشہ بھی ہے اسی مرکزِ واحد کا نشان
گو یہ عالم کے لئے کاتبِ تقدیر نہیں!

۷۸۶

قصیدہ تقریب سالگرہ مبارک

از مولوی مسعود علی صاحب محوی بی اے ڈبلیگ، سابق سشن جج

بہ بیں باغ و بہارِ دل نشینش
چمن گلگون زمرد گوں زمینش

چو بوئے مشکبار نو عروساں
نشاط افزا ہوائے عنبرینش

صفائے دوستانِ با صفا را
تواں نظارہ کرد از یاسمینش

بیادِ عارضِ گلگونِ جاناں
تواں بوسید روئے نسترینش

بدیدارِ بہارِ سبزہ و گل
چمن بکشاد چشم نرگسینش

جلوسِ شاہ گل بر مسندِ شاخ
بیادم داد شاہ و شہ نشینش

شہے فخرِ جہاں عثماں علیخاں
کہ نادیدہ فلک مثل و قرینش

عیاں شانِ شہی از چشم و ابرو
ہویدا نورِ یزداں از جبینش

سجاف[1] نیک نامی گرد داماں
طرازِ راستی بر آستینش

دُرِ الفقر و فخری طرۂ تاج
ھو اللہ الغنی نقشِ نگینش

مزاجش معتدل، نازک نہادش
ز لطفِ امتزاجِ ما و طینش

ز فیضِ جود اُو ہر تشنہ سیراب
رواں ہر چار سو ماءِ معینش[2]

دکن معمور از علم و ہنر شد
ز تدبیر رزین و دوربینش

چناں آراست شہر حیدرآباد
کہ پیدا شد جناں بر سر زمینش

[1] سنجاف
[2] آب صاف و شیریں

سوادِ بلدہ را رنگ نوی داد — مکانش شد بلند و ہم مکینش
از او آبادی دیر است و مسجد — دکن نازد بجا بر داد و دینش
زبان گویا ز نطقِ دلکش او — سخن شیریں ز شعرِ شکرینش
ز بختِ سعد او یمن و سعادت — دو چا کر بر یسار و بر یمینش
بپاسِ حرمتِ حکمِ الٰہی — تنفر بیں ز آب آتشینش
شہے والا گہر کز بہر نذرش — صدف دُر آورد نخل انگبینش
خدایا سرمہ شرم و حیا کش — بچشمِ کورِ خصم نکتہ چینش
نمے جوید ز مردم استعانت — خدایش مستعان او دمستعینش
حصارِ ذاتِ او حفظِ خداوند — دعائے بندگاں حصنِ حصینش
بکارش آفرینِ اہل عالم — بجانش رحمتِ جاں آفرینش
نمی دانم چہ خواہم بیشتر زیں — کہ محمود است ہم دنیا و دینش
نہ بگزارم دلے رسم دعا را — کہ آمیں گوست خود روح الامینش
جہاں بادا بہ ہر مقصود رامش — فلک بادا بہ ہر صورت معینش

قبولش باد ایں نذرِ عقیدت
ز محوی مدح گوئے کمترینش

ہدیۂ مسرّت

"اپنے آقا کی خدمت میں"

از جناب صالح بن عمرو صاحب وفا

تڑپ رہا تھا جو دل میں نغمہ اسی کو مطرب سنا رہے ہیں
برس ابھی او ابرِ رحمت کہ دن مسرّت کے آ رہے ہیں

خلیفۃ المسلمین کی جن سے ہنوز جمعیّتیں ہیں دل کی
وہ جنکی آگے ملوک اب تک سرِ عقیدت جھکا رہے ہیں

وہ جنکی ہر سنگِ آستاں پر فلک نے سجدے کئے ہزاروں
وہ شاہ مومن جو کشتیٔ دیں کے مدتوں ناخدا رہے ہیں

وہ جنکی اک جنبشِ نگہ میں نظامِ عالم کی برہمی تھی
جو دل میں آئی تو جان و دل سے دلوں کی بستی بسا رہے ہیں

الٰہی تیرے کرم کے صدقے کہ سن لیا گوشِ منتظر نے
وہ روح پرور خیال جسکو ملک مزے لیکے گا رہے ہیں

جہاں میں دھومیں مچی ہوئی ہیں فضائے خاموش نغمہ زن ہے
دکن کی تارے دیارِ مغرب سے ماہ پاروں کو لا رہے ہیں

ادھر گرہ سال کی پڑی ہے ادھر گرہ دل میں الفتوں کی
خوشی میں گوہر لٹانے والے دُرِ مسرت لٹا رہے ہیں

میں شاعرِ بے خبر ہوں اے دل مجھے سیاست سے کام کیا ہے
مرے تصور میں عہدِ ماضی کے سارے افسانے آ رہے ہیں

وفا مرے آلیٔ دکن کو یہ جشنِ لعل و گہر مبارک
کہ نورِ مسلم کو شاہزادے لگا کے سینوں سے لا رہے ہیں

پروازِ مسرت

از جناب صالح بن عمر صاحب وفاؔ

پرواز کر رہا ہے مرا طائرِ خیال
آزاد ہو رہا ہوں زمان و مکاں سے میں
دنیا مری نگاہ میں اک جنسِ پائمال
تاروں کی انجمن میں چلا ہوں ہلال سے میں

بے چین ہے سمند ہوا انتظار میں
اب میرے پائے شوق کا تھکنا محال ہے
گردوں کی گردشیں بھی مرے اختیار میں
قبضہ میں آج شاہدِ فطرت جمال ہے

آنکھوں میں جلوۂ رخِ زیبا لئے ہوئے
دنیا سکوں کی ڈھونڈ رہا ہوں الگ تھلگ
عالم سے دور دردِ تمنا لئے ہوئے
ہے جی میں عہدِ زیست نباہوں الگ تھلگ

پچھلی کی چاندنی ہے مجھے سائبانِ عیش
قندیلِ عرش ہے مرے رہبر کے ہاتھ میں
جھونکے نسیمِ صبح کے عنبر فشانِ عیش
آؤں نہ پھر کبھی دلِ مضطر کے ہاتھ میں

[illegible] پہ [illegible] ہے اندازِ دلبری
اور طرزِ گفتگو میں جھلکتی ہیں جنتیں
پوشیدہ دل سے رہ نہ سکا رازِ دلبری
وہ وقت ہے کہ مجھ سے کھٹکتی ہیں جنتیں

بے وجہ رفعتوں پہ نہیں تابِ دید ہے
اِس جامِ شاعری میں کوئی اور بھی ہے مے
ہے آج جشنِ سالگرہ روزِ عید ہے
شوخی دکھا رہی ہے خوشی میں وفاؔ کی نے

تہنیت جشن سالگرہ مبارک

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

گرہ کے جشن نے پھر رنگِ بوستاں بدلا | گلوں نے جامہ، عنادل نے آشیاں بدلا
نصیبِ شاہ میں ایسی حیات ہے جس سے | خضر نے سلسلۂ عمرِ جاوداں بدلا

دیگر

مایۂ نازِ جہاں آج ہے شاہی تیری | واہ کیا شان ہے اے ظلِّ الٰہی تیری
ہے حیاتِ ابدی سارے زمانہ کے لیے | اک نگاہِ کرمِ نامتناہی تیری
کیوں مسلّم نہ ہو شاہوں میں تیری یکتائی | بخت و اقبال بھی دیتے ہیں گواہی تیری
کیوں نہ حصے میں ترے فتح کا میدان رہے | کہ مدد کرتی ہے تائیدِ الٰہی تیری
دشمنوں کے یہ لبِ زخمِ جگر کہتے ہیں | نیمچے سے نہیں کم نیم نگاہی تیری
حکمرانی کا یہ انداز کسے آتا ہے | کشورِ دل میں بھی اے شاہ ہے شاہی تیری

یہ بھی سرکار کے قدموں کا تصدق ہے جلیل
خوش نصیبی نے رفاقت جو نباہی تیری

پُر از نور است جام یاسمینش

از مولانا عبداللہ عمادی رکن دار الترجمہ

طلوعِ صبح صادق از جبینش — ید بیضا بر آید ز آستینش
دیارِ دیدہ و دل تختگاہش — جہان معدلت زیر نگینش
نظام الملک آصف جاہ سابع — کہ حق کردہ امیر المومنینش
شہ ہند و دکن عثمان اعظم — کہ مُلکِ دل بود مُلکِ یمینش
برائے نصرتِ دینِ محمد — دعائے ہر دلِ صافی قرینش
اذانِ مسجد و آواز تکبیر — درود از بہر عہد راستینش
عروج مرحمت از خاک راہش — نزول رحمت از چرخ برینش
محافظ نصرت خلاق عالم — معاون روح ختم المرسلینش،
مکانِ عشق خرم لامکانیست — تعالی اللہ زہے شانِ مکینش
مپیچ از حلقۂ عشرت برائے زہد — بدست آویز جعد عنبرینش
متاب از عالم مستی رخ اے چرخ — کہ مہر اندر بغل دارد زمینش
بروئے لالۂ احمر نظر کن — کہ ہفت اختر دمد در ساتگینش
تباشیرِ سحر در بوستان بین — پر از نور است جام یاسمینش

قطعہ

بہ یغما کشور دل از حجابش — چہ شوخ افتاد چشم شرمگینش
بہ باغ اندر بہ راغ اندر بہ بیند — چہ حشر انگیخت وضع نازنینش
جہاں برہم زتیغ بے فسانش — چہ افتد گر لبازی سرنگینش
چہ روئے است این کہ گاہے بر نتابد — نیاز عشق حسن نازنینش
بپرہیز از لب نوشین بپرہیز — کہ زہر آلود باشد انگبینش
مپرس از طرفگیہای خرابات — رود بر باد آب آتشینش
نگاہ لطف بردار التراجم — کہ نور تست سیمای جبینش
زمین از فیض او در شادکامی — نہ باید تا فلک دارد غمینش

دکن ہیر آئیل کمپنی کے مقبول عام اشیاء

جن کو غیر ممالک کی نمائشوں سے طلائی تمغے ملے ہیں

دکن ہیر آئیل	شانتی ہیر آئیل	مشک حنا	اٹو دکن
۱۴ ار	عہ ر	۹ واشہ عہ ر	۹ واشہ عہ ر ۴ ر
برلنٹاین نمبر ۱، ۲	سینٹ روز	سینٹ کشمیر	سینٹ چیری
۱۰ ار، ۸ ر	عہ ۱۲ ر	عہ ۱۲ ر	عہ ۱۲ ر

ہر دوکان پر ملتے ہیں

Best is the Best

مبارک ہے وہ ملک جو اپنے ہی ملک کے مفید مصنوعات سے مستفید ہوتا ہے۔

بہارت میڈیکل ہال

افضل گنج بس روڈ حیدرآباد دکن

ہمارے یہاں جملہ ادویات پیٹنٹ و فوڈ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔ ڈاکٹروں کے مجوزہ نسخہ جات نہایت احتیاط کے ساتھ تیار کئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ

صابن، سینٹ، پوڈر، پوسینڈ، کوشس وغیرہ کا بالکل نیا اسٹاک ہم نے جرمنی سے منگوایا ہے

ضروریات دواخانہ کا سامان و آلات جراحی وغیرہ بھی موجود ہیں قیمتیں بالکل واجبی

چارمینار

کے

بالکل متصل ہماری اسٹیشنری کی دوکان قائم ہے جس میں اسٹیشنری وغیرہ کا ہر قسم کا سامان بالکل واجبی داموں پر فروخت ہوتا ہے چھاپہ کی جملہ سیاہیاں مختلف کارخانوں کے بہترین فونٹن پن ادنیٰ سے اعلیٰ اسٹاک واجبی قیمت پر دئے جاتے ہیں۔

طالب علموں کی سہولت کیلئے

اکسر سائز بک و روشنائیاں وغیرہ موجود ہیں۔ زیادہ مال کے خریدار کو معقول کمیشن بھی دیا جائیگا

جی، بال کرشنا تاجر کاغذ و اسٹیشنری چارمینار حیدرآباد

نیو انڈیا انشورنس کمپنی محدود

(زمانۂ قیام و اجرائی کمپنی ۱۹۱۹ء)

میں اپنی زندگی و موٹر کا ۔ چوری و نقب زنی کا ۔ آگ و سمندر کا ۔ حادثہ کا انتہا یہ کہ آپ کی صحت کا تک بیمہ کرا کے نیا ہندوستان تعمیر کیجئے

یہ ہندوستان کی سب سے بڑی جنرل انشورنس کمپنی ہے

جس کا

		(چھ کروڑ)
اصل منظورہ	روپیہ	۶۰۰۰۰۰۰۰
اصل مقبولہ	ر ر	۳۵۶۰۵۲۷۵
اصل اداشدہ		۷۱۲۱۰۵۵ ہے

نظماء کمپنی کی جماعت

این بی سکلا والا صاحب سی آئی ای جی پی

الف اے ڈونشا صاحب جے پی

آنریبل سر فیروز سی سیٹھنا نائٹ او بی ای جے پی

سی ین واڈیا صاحب سی آئی ای (مالک مل)

ڈی ایف باٹلی والا صاحب (مالک مل)

سردار سلیمان قاسم مٹھا صاحب سی آئی ای جے پی،

سر لکو بہائی سامل داس نائٹ سی آئی ای جے پی

ایس این پوچ کھانیوالا صاحب ڈائرکٹر سنٹرل بینک آف انڈیا

امبالال سارابہائی صاحب ڈائرکٹر مسرز کوہیالال امبالال اینڈ کمپنی

سر چنی لال وی مہتہ کے سی ایس آئی ۔

جے ڈی گاندہی صاحب

نیو انڈیا کے خصوصیات

(۱) بیمہ کنندہ کسی وجہ سے معذور ہو جائے تو اسکے اقساط معاف کر دیئے جاتے ہیں اسکے باوجود بیمہ کی پوری رقم ادا کیجاتی ہے

(۲) حادثہ کی تحریر بیمہ کی رقم کا دو نا روپیہ دیا جاتا ہے

(۳) خود بخود عدم ضبطی کا عمل ہوتا ہے یعنی اگر کسی نے متواتر دو سال کے بعد کوئی قسط ناغہ کی ہو تو اسکی پالیسی منسوخ نہیں ہوتی

(۴) بیمہ کی میعاد کا اضافہ

(۵) عوام کی سہولت کیلئے بغیر کسی زیادتی کے اقساط ششماہی و سہ ماہی بلکہ ماہوار تک لئے جاتے ہیں،

(۶) ان سب باتوں کے باوجود اقساط نسبتاً دوسری کمپنیوں سے کم رکھے گئے ہیں ۔

کہتی ہے ہم کو خلق خدا غائبانہ کیا؟

کہ نیو انڈیا ہندوستان کی ذاتی موئی سب سے بڑی جنرل انشورنس کمپنی ہے اسکے خطیر سرمایہ کے مد نظر ممکن ہے کہ دنیا بھر کی سب سے بڑی بیمہ کمپنیوں میں سے ایک ثابت ہو ۔

انڈین انشورنس مورخہ جولائی ۱۹۲۹ء

ممالک محروسہ میں ہر ضلع کیلئے فیاضانہ شرائط پر لائق و ذی اثر ایجنٹوں کی ضرورت ہے جو اگر چاہیں تو پانچ سال کام کرنے کے بعد تمام عمر کیلئے وظیفہ حاصل کر سکتے ہیں ۔

نیو انڈیا میں کام کر کے قومی خدمت بجا لایئے

نواب نور اللہ حیف برائے ممالک محروسۂ سرکار عالی کاشانۂ والاجاہی شرک معظم جاہی حیدرآباد دکن

گودام ادویہ اصلی و تازہ

زیر نگرانی اطباء یونانی

طبابت ہمارا خاندانی پیشہ ہے ، جو نسلاً بعد نسل دو ڈھائی سو سال سے چلا آرہا ہے ، ہمارے عم بزرگوار نواب شافی نواز جنگ بہادر و حاذق جنگ بہادر مرحوم افسر الاطباء رہ چکے ہیں ، ہم نے فن طب کی تعلیم پانے کے بعد سے بازاری ادویہ کے خرابیوں کو محسوس کر کے اس شعبہ کو ناا ہلوں کے پنجہ سے چھڑانے اور مخلوق اللہ کی نفع رسانی کی غرض سے اس گودام کو کھولا گیا ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے وسیع ترین گودام میں کوئی دوا ناقص یا مصنوعی نہیں دکھائی جاسکتی بلکہ ہر دوا اصلی اور تازہ موجود رہتی ہے اور عام نفع کی غرض سے معمولی نفع پر بازاری نرخ سے نسبتاً ارزاں فروخت کی جاتی ہے اور جملہ اطباء دواسازوں اور صاحبان پبلک سے عرض ہے کہ آپ حضرات کو جس وقت عمدہ اور اصلی ادویہ درکار ہوں تو معدن مفردات کو ضرور یاد فرمایئے ،

المشتہر

حکیم شہاب الدین حسین علوسنجانی مالک مہتمم معدن مفردات افضل گنج حیدرآباد دکن

دولت آصفیہ کی گذشتہ عظمت و شوکت

ماضی کی یاد سے ایک سبق

از مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کچھ عرصہ سے بڑی تحقیق و کاوش کے ساتھ دکن کی ایک مبسوط تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے باوجود عدیم الفرصتی کے موصوف نے سالگرہ نمبر کے لیے مختصر سا مضمون عنایت فرمایا ہے جو درج ذیل ہے۔

دولت آصفیہ کی موجودہ عظمت و شوکت کو دیکھ کر وہ لوگ جنہوں نے اس کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا ہے، ایسے مرعوب ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کی گذشتہ عظمت و شوکت کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جو دولت اپنے رقبہ کی وسعت، اپنی آبادی کی کثرت، اپنی آمدنی کی فراوانی، اپنی تہذیب و تمدن کی رفعت، اپنے علوم و فنون کی ترقی، اپنی سیاست و حکومت کی برتری، اور سب سے زیادہ اپنے فرمانروا کی بزرگی و جلالت کے لحاظ سے آج ہندوستان کی تمام ریاستوں کی سرتاج ہے، اس کے حال کی چمک دمک سے آنکھیں اس قدر خیرہ ہو جاتی ہیں کہ نگاہوں کو اس کے ماضی کی طرف بڑھنے کی جرات ہی نہیں ہوتی مگر واقعہ یہ ہے کہ ہماری آنکھیں اس دولت ابدمدت کی جو کچھ شان و شوکت دیکھ رہی ہیں تاریخ کی آنکھ اس سے بہت کچھ بڑھ چڑھ کر دیکھ چکی ہے، اور اس کی نظروں سے وہ وہ سماں گزرے ہیں جن کی کیفیت کوئی سنے تو حال پر قناعت کرنا بھول جائے اور اس کا دل ان نظاروں کی شنید کے بجائے دید کے لیے لوٹنے لگے، آج جبکہ اس مملکت کے تاجدار کی سالگرہ کا مبارک دن ہے، میں اپنے اہل وطن کو خاص طور پر اس دور کی ایک مختصر داستان سنانی چاہتا ہوں جب دریائے تپتی سے راس کماری تک تمام دکن پر آصفجاہ کا حکم جاری تھا، دو درجن سے زیادہ ریاستیں ان کے زیر نگین تھیں، اور تمام ہندوستان کی سیاست میں دولت آصف جاہی کو مرکز ثقل کی حیثیت حاصل تھی اس وقت یہ سلطنت قدیم زمانہ کی سلطنت بہمنیہ اور سلطنت بیجانگر کے مجموعے کے برابر تھی، میسور، تنجاور، ترچناپلی، کڑپہ، کرنول، ساوانور، چیتلدرگ اور بدنور کے بڑے بڑے راجہ اور رئیس اس کے باجگذار تھے، اور تنجاور سے لیکر کٹک تک تمام ساحل کارومنڈل اس کے قبضہ میں تھا اس زمانہ کے تخمینہ کے مطابق چار پانچ کروڑ نفوس اس کے زیر حکم تھے مگر آج اس رقبہ کی آبادی دس بارہ کروڑ سے کم نہیں ہے، بالفاظ دیگر اس زمانہ میں یہ سلطنت اتنی ہی عظیم الشان تھی جتنی کہ آجکل ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے۔

یہ سلطنت جسے نظام الملک آصفجاہ نواب میر قمرالدین خاں بہادر نے قائم کیا تھا عالمگیر بادشاہ کی سلطنت کے چھ صوبوں سے مرکب تھی اور یہ چھ صوبے ان علاقوں پر مشتمل تھے جن کو اکبر کے عہد سے لیکر عالمگیر کے زمانہ تک سلطنت مغلیہ نے مسلسل ایک صدی کی جد و جہد کے بعد دکن کی چھ ریاستوں سے فتح کیا تھا۔ جب تک عالمگیر زندہ رہا، یہ سب صوبے الگ الگ رہے اور بادشاہ کی جانب سے ان پر جدا جدا صوبہ دار مقرر ہوتے رہے، پورے دکن کا ایک صوبہ دار مقرر کرنا بادشاہ کے مصالح کے خلاف تھا، مگر اس کے بعد جب شاہ عالم بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے سابق دستور کو چھوڑ کر پورے جزیرہ نمائے دکن پر ایک صوبہ دار مقرر کر دیا اور اسے ماتحت صوبیداروں پر کامل اختیارات عطا کیے، یہ نیا صوبہ جو پوری سلطنت کے تیسرے حصہ کے برابر تھا، خود ایک سلطنت بن جانے کا طبعی میلان رکھتا تھا، دنیا کے اسباب نے اسے اعظم کام بخش، ذوالفقار خاں اور حسین علی خاں کے سامنے ایک ایک کرکے پیش کیا، لیکن مشیت الٰہی نے یہ قبا ایک دوسرے قامت کے لیے سی تھی، چنانچہ وہ اسی پر راس آئی اور اسے بادل ناخواستہ پہننی پڑی۔ آصف جاہ نے اپنے حسن تدبیر سے پوری سلطنت کو سنبھالنا چاہا اور جب دیکھا کہ دنیا کی کوئی قوت اسے تباہی سے نہیں بچا سکتی تو وہ اس پر قناعت کرنے کیلئے مجبور ہو گئے کہ کم از کم اس کے تیسرے حصہ ہی کو بچا لیں، اس معاملہ میں ان کی حیثیت بالکل صلاح الدین ایوبی کی سی تھی جو مصر بچا لینے سے بھی خوش تھا مگر آسمانی طاقتیں اسے کھینچ کر لے گئیں اور فلسطین کی سرزمین کا مالک بنا کر چھوڑا۔

آصف جاہ کی یہ نئی سلطنت جن صوبوں پر مشتمل تھی وہ باستثنائے برار و خاندیس اب بھی موجود ہیں، مگر ان کی وہ وسعت باقی نہیں رہی ہے جو اس زمانہ میں تھی۔ مثال کے طور پر صوبہ اورنگ آباد

اس زمانہ میں (۱۲) سرکاروں (اضلاع) سے مرکب تھا جن میں (۱۴۷) محالات (تعلقے) تھے اور اس کی آمدنی ایک کروڑ ستائیس لاکھ روپیہ تھی۔ اس کا بیشتر حصہ اب صوبہ بمبئی میں شامل ہے اسی طرح اس زمانہ کا صوبہ حیدرآباد آجکل کے میدک اور ورنگل کے صوبوں سے کئی گنا زیادہ بڑا تھا اس کے حدود تنجاور اور ترچناپلی سے لیکر گنجام تک پھیلے ہوئے تھے اور اس میں (۲۲) سرکاریں تھیں جن کے محالات کی تعداد (۱۱۴) تھی، اور آمدنی چھ کروڑ ۶۰ لاکھ روپیہ تھی، اب اس کا بیشتر حصہ مدراس پریزیڈنسی میں شامل ہے۔ صوبہ بیجاپور جس کا قائم مقام اب گلبرگہ ہے، صوبہ حیدرآباد سے بھی بڑا تھا اس کے حدود مدورا سے لیکر دھارور تک وسیع تھے جنوبی ہند کی بڑی بڑی جاگیرداریاں اس کے ماتحت تھیں اور اس کی آمدنی ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ تھی اب اس کا بڑا حصہ مدراس اور بمبئی کے صوبوں اور میسور کی ریاست میں شامل ہے۔ یہ تینوں عظیم الشان صوبے بیدر خاندیس اور برار کے صوبوں کے ساتھ مل کر ایک ایسی وسیع سلطنت بناتے تھے جس کی آمدنی اس زمانہ میں ۱۸ کروڑ روپیہ تھی، جو تقریباً ۴۰ باجگذار ریاستوں پر بالادستی کے حقوق رکھتی تھی اور جس کے وسائل و ذرائع غیر محدود تھے،

یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس عہد کے فرمانروائے دولت آصفیہ کی شوکت وصولت کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے کیونکہ اس کے لئے مجھے تاریخ کے بہت سے صفحے اس جگہ منتقل کرنے پڑیں گے، تاہم میں ناظرین کے تصور کو مدد دینے کے لئے چند واقعات بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں

یوں تو نواب نظام الملک آصفجاہ کی تمام زندگی فوج کشیوں اور معرکہ آرائیوں ہی میں گذری مگر ان کی آخری فوج کشی جو ۱۷۴۳ء میں کرناٹک کے مضطرب حالات کو درست کرنے کے لئے ارکاٹ کی جانب ہوئی، سب سے زیادہ شاندار تھی۔ انگریز مورخ اورم کا بیان ہے کہ اس موقع پر ان کے جلو میں ۸۰ ہزار سوار اور دو لاکھ پیدل فوج تھی۔ جس کی شوکت سے تمام جنوبی ہند میں غلغلہ برپا ہوگیا۔ گردو نواح کے رئیس، راجہ اور باجگذار فرمانروا سلام کو حاضر ہوئے اور جو خود نہ آسکے انہوں نے نذریں پیش کرنے کے لئے وفود بھیجے، ان ہی وفود میں سے ایک وفد مدراس کی انگریزی پریزیڈنسی کا بھی تھا جسے دو ہفتہ کی کوششوں کے بعد بارگاہ آصفجاہی میں حضوری کا شرف حاصل ہوسکا مدراس پریزیڈنسی اس زمانہ میں صرف شہر مدراس اور اس کے نواحی کی مالک تھی، اور اس کی حیثیت یہ تھی کہ آصف جاہ کے فوجدار ارکاٹ انورالدین خاں نے (جسے اس زمانہ کے انگریز اناویردی کان کہتے تھے) ایک مرتبہ فرانسیسیوں کے خلاف گورنر مدراس کی عرضداشت کو صرف اس بنا پر رد کر دیا تھا کہ انگریزی وفد نے سرکاری مراسم کے خلاف عرضداشت کے ساتھ نذر پیش نہ کی تھی،!

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مغفرت مآب کی رحلت کے بعد نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کے نام احمد شاہ بادشاہ کی جانب سے صوبہ داری دکن کا فرمان برھانپور پہونچا۔ نواب نے اس فرمان کا استقبال جس شان وتجمل سے کیا اس کی تفصیلات مورخین نے طویل کلام کے ساتھ بیان کی ہیں مختصر یہ کہ اس جلوس میں نواب کے ساتھ ۴۰ ہزار سوار، تین سو ہاتھی، ۳۰۰ سو عرابۂ توپ اور سینکڑوں نشان بردار اور موسیقی نواز اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھے جن کا سلسلہ کئی میل تک چلا گیا تھا، اس کے بعد ہی ناصر جنگ کو اپنے بھانجے مظفر جنگ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے کرناٹک کی طرف جانا پڑا، اس مہم میں ان کے ہمرکاب جو فوج تھی اس کی تعداد مورخین نے کم از کم تین لاکھ بیان کی ہے جس کے ساتھ ۸ سو توپیں اور ۱۳ ہزار ہاتھی تھے، صوبہ دار دکن کی طلب پر جو باجگذار راجہ اور نواب فوجی خدمت بجالانے کے لئے حاضر ہوئے تھے، ان میں راجہ میسور اور کڑپہ، کرنول اور ساوانور کے نواب بھی تھے، فرانسیسی اس لشکر کی ہیبت سے میدان چھوڑ کر پانڈیچری کی طرف بھاگ گئے اور مظفر جنگ کے ساتھی انہیں ناصر جنگ کے رحم پر چھوڑ کر منہ موڑ گئے مدرسوں میں ہمارے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ناصر جنگ کی حمایت پر انگریز بھی تھے، مگر یہ خود انگریز مورخین ہی کا بیان ہے کہ اس عظیم الشان "امدادی" فوج کی تعداد چھ سو تھی ورنہ ہمارے قومی مورخوں نے تو اس امداد کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اس کا ذکر بھی کرتے۔ بعد میں فرانسیسیوں کو ناصر جنگ کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل ہوئی اور جس کا انجام ناصر جنگ کی شہادت پر ہوا وہ خود ہمارے اہل وطن کی غداری و بیوفائی کا نتیجہ تھی جو اس کے بعد سے ہر موقع پر اغیار کی سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوتی رہی،

ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی خانہ جنگی اور صلابت جنگ کی کمزوری کے باعث سلطنت کی قوت میں بہت کچھ انحطاط رونما ہوچکا تھا اور حدود اقتدار بھی گھٹ گئے تھے، مگر اس کے باوجود آصف جاہ ثانی نواب میر نظام علی خاں بہادر کے ابتدائی عہد تک فرمانروائے دکن کی طاقت کا یہ حال تھا کہ دو مرتبہ انہوں نے مرہٹہ طاقت کے قلب پونا پر کامیاب چڑھائی کی ایک مرتبہ پونا کو خراب و برباد کیا، اور شمالی سرکاروں میں انگریزوں کی مداخلت بیجا پر بگڑ کر جب انہوں نے کرناٹک کی جانب پیش قدمی کا عزم کیا تو مدراس پریزیڈنسی محض اس عزم سے اس قدر مرعوب ہوئی کہ اسے جنرل کیلوڈ کو صلح کی درخواست لیکر ان کے پاس بھیجنا پڑا یہ فرمانروائے دکن کی قوت کے آخری مظاہرات تھے جن کا اثر انتہائی انحطاط کے زمانہ میں بھی برسوں تک نظام اور برٹش گورنمنٹ کے سیاسی معاملات میں ظاہر ہوتا رہا، میر عالم کے زمانہ تک برٹش انڈیا کے گورنر جنرل سے حیدرآباد کے مدارالمہام کی مراسلت دوستانہ ومساویانہ طریقہ پر ہوتی تھی، نواب سکندر جاہ بہادر کے ابتدائی عہد تک گورنر جنرل اپنے آپ کو سرکاری تحریرات میں نیازمند لکھتا تھا اور نظام اپنے لئے مابدولت کے الفاظ استعمال کرتے تھے، اس کے بہت عرصہ بعد تک ریزیڈنٹ کو دربار میں حاضری کے وقت ڈیوڑھی کے باہر سواری سے اتر جانا پڑتا تھا اور پورے درباری آداب کے ساتھ مجرا بجا لانا ہوتا تھا نواب ناصر الدولہ بہادر کے زمانہ میں جنرل فریزان مراسم وتکلفات کی پابندی سے بہت کچھ ناک بھوں چڑھاتا نظر آتا ہے۔

یہ مبارک موقع مجھے اس سوال سے بحث کرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ حالت کن وجوہ سے بدلی اور نوبت کہاں تک پہونچی؟ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ

با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اسباب انقلاب باہر سے نہیں آئے،

خود گھر میں پیدا ہوئے۔ ایک سلطنت کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کا نمک، نمک حراموں کی پرورش میں صرف ہو، اس کے کاروبار ایسے لوگ چلائیں جو ملک و مالک کے ملازم مگر خود اپنے نفس کے خادم ہوں اور اس کے جوہر پیوند خاک مگر پھر زینت تاج و کلاہ ہوں۔ افسوس ہے کہ مسلسل ایک صدی تک اس سلطنت کا بھی یہی حال رہا۔ اس کی باگیں ایسے کارفرماؤں اور کارکنوں کے ہاتھوں میں رہیں جو سلطنت کی وفاداری و خیر خواہی سے عاری حسن تدبیر، صحت فکر اور بصیرت سیاسی سے محروم اور اپنی شخصی اغراض پر ملک و مالک کے مفاد کو قربان کردینے کے خوگر تھے تاریخ میں ان کے کارناموں کو دیکھکر ایک صاحب نظر بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اگر وہ دانا دشمن نہ تھے تو نادان دوست ضرور تھے۔ ان ہی کی بدولت وہ عظیم الشان سلطنت جو نربدا سے لیکر ایلیچپور تک، اور گنجام سے لیکر احمد نگر تک پھیلی ہوئی تھی، گھٹتے گھٹتے موجودہ رقبہ تک پہونچ گئی۔ یہ نتیجہ ہے صرف دو چیزوں کا، ایک حب وطن کا فقدان، دوسرے فکر صحیح کی قلت۔ پس اگر حیدرآباد کے باشندوں میں پھر وہی سابقہ عظمت و شوکت دیکھنے کی تمنا ہے تو انہیں اپنے اندر ان دونوں چیزوں کو بدرجہ اتم پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ان کے دل میں ملک کی سچی محبت اور اس کے لئے ایثار و قربانی کا حقیقی جذبہ مشتعل ہو۔ ان کی سعی و عمل کا مدار یہ مرکزی تخیل ہو کہ وہ اپنے ملک کو ترقی اور عظمت کے سب سے اعلیٰ مرتبہ پر دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کے ہر ہر فرد کی تمام ذہنی کاوشیں اس تلاش و تجسس میں صرف ہوں کہ اس کے ملک کا مفاد کس چیز میں ہے؟ اور وہ خود کس طریقہ سے ملک کی بہتر سے بہتر خدمت انجام دیسکتا ہے؟ یہ بات پیدا ہوجائے پھر دنیا کی کوئی قوت حیدرآباد کو اس مرتبہ تک پہونچنے سے نہیں روک سکتی جس کا وہ مستحق ہے،

آصفجاہ ہفتم کی یاد میں

از مولانا ظفر علی خاں

دھلا نہیں ہے گل و لالہ کا غبار ابھی
برس کچھ اور بھی اے ابر نو بہار ابھی

بدل چکا ہے بدلتا ہے اور بدلے گا
بہت سے رنگ یہ چرخ ستیزہ کار ابھی

بہار سر پہ ہے اے پنجۂ جنوں پھر کیوں
کیا نہ تو نے گریباں کو تار تار ابھی

نہیں کرشمۂ ساقی کی اس میں کچھ تقصیر
کچھ اہل بزم جو بیٹھے ہیں ہوشیار ابھی

زمانہ جس کی تجلی سے جگمگا اٹھا
ہے جلوہ ریز وہ خورشید زرنگار ابھی

محمد عربی کے جلال کا پر تو
ہے شکل غازی اعظم سے آشکار ابھی

خدا بھی زندہ ہے اس کا کلام بھی زندہ
اساس سطوت کبریٰ ہے استوار ابھی

حیات دہر شہادت کے ساتھ ملتی ہے
فنا کی رمز بقا کی ہے رازدار ابھی

دکن کے باغ میں چھائی ہوئی تھی خاموشی
سنا ہے میں نے مگر نغمۂ ہزار ابھی

یہ کہہ رہی ہے پلٹ کر نگاہ یار ابھی
زمانہ اور بھی بدلے گا ایک بار ابھی

خدا کا سایہ ترے سر پہ آصف ہفتم
کہ تو ہے ہند میں ملت کا افتخار ابھی

چھپا سکی نہ زباں تیری راز سوز دروں
ہے جس سے سینۂ اسلام داغدار ابھی

ہے یہ بھی رحمت پروردگار عالمیاں
کہ ہیں زمانہ میں تجھ جیسے تاجدار ابھی

دکن بھی دولت کابل کی طرح ہو آزاد
بڑھے کچھ اور بھی اسلام کا وقار ابھی

درسِ آزادی

از جناب حکیم آزاد صاحب انصاری

اہل غیرت ہے تو غیرت پیش کر
ملکی و ملی حمیت پیش کر

قوم کے جانباز خادم ۔ پیش قوم
اپنی جانبازانہ خدمت پیش کر

ہاں بہر دفع اہل شر کال
جان بہر حفظ ملت پیش کر

کبر و نخوت کے جھکریوں چپ بیٹھے
اٹھ جواب کبر و نخوت پیش کر

انتہائے عاجزی کے دن گئے
اب غرور تاب و طاقت پیش کر

عرض حال بیکسی کے دن گئے
اب تو عزم و ہمت پیش کر

عجز در دیتانہ کی خو چھوڑ کر
بادشاہانہ جلالت پیش کر

خوف مرگ و زیست سے منہ موڑ کر
شانِ ارباب جلادت پیش کر

قوتوں کے امتحاں کا وقت ہے
تو بھی اٹھ اور اپنی قوت پیش کر

مرد کو خوف خطر شایاں نہیں
مرد بن ۔ مردانہ خصلت پیش کر

حیدرانہ قوت بازو دکھا
خالدانہ فتح و نصرت پیش کر

بےخطر گھمسان کی جنگوں میں کود
بےدھڑک شوق شہادت پیش کر

دادِ پامردی بلا حجت نہ چاہ
کوئی پامردی پہ حجت پیش کر

جنس آزادی بلا قیمت نہ مانگ
جنس آزادی کی قیمت پیش کر

قوم کو اپنی اعانت پر ابھار
دین کو اپنی حمایت پیش کر

ملک بھر ہمہ دم آمادہ ہے
ملک کے آگے ضرورت پیش کر

پھر ادب سے ایشیاء کے سامنے
ربع مسکوں کی سیادت پیش کر

تفریح کیلئے بہترین مقام

دن بھر کی مصروفیت کے بعد خواہ وہ دماغی ہو یا جسمانی انسانی طبیعت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنا فرصت کا وقت کسی نہایت ہی خوش گوار اور پرفضا مقام پر گزرے جہاں شام کی تفریح کے لیے خوبصورت اور متعدد چمن اور چمن میں تھوڑے تھوڑے حصہ پر پرلطف نشست گاہ ہو اور بہترین برقی پنکھوں و روشنی وغیرہ سے بھی آراستہ ہو اسکے ساتھ ساتھ ہوٹل کی جملہ ضروریات کے علاوہ مختلف کھیل اور دلچسپیاں بھی ہوں اور جہاں یہ ساری باتیں ہونگی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تفریح کا حقیقی لطف صرف وہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ حیدرآباد میں صرف ویکاجی ہوٹل ہی ایک ایسا مقام ہے جو وسط شہر کی بلند اور عالیشان عمارت میں واقع ہے اور منظر بھی نہایت خوش نما اور دلفریب ہے۔ ہمارے کرمفرما اور معزز پبلک نے اس مقام کو زیادہ پسند کیا ہے۔ ہندوستانی، انگریزی، اٹالین خوش ذائقہ اور لذیذ کھانے مٹھائیاں ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ قیام کا معقول انتظام ہے سواری کی بھی سہولت ہے۔ ڈنر، ایٹ ہوم کی کیٹرنگ دیگر فرمایشات کی تعمیل حسب خواہش فی الفور کیجاتی ہے جو دوسروں کے مقابلہ میں بہت ہی لپسندیدہ ہوتی ہے۔ برقی قوت سے چلنے والا اور ہر قسم کے مشروبات وغیرہ ہر وقت ٹھنڈا تازہ رکھنے والا مشن برقی رفیریجریٹر کا بصرف زر کثیر ہم نے اس وقت سے انتظام کیا ہے جبکہ یہاں کہیں کسی ہوٹل میں بھی نہیں تھا اور اب یہ شکایت کہ سوڈا لیمن وغیرہ میں برف ڈالکر پینے سے غدود پھول جاتے ہیں گلوں میں درد پیدا ہوتا ہے اسی لیمن کے استعمال سے رفع ہوگئی علاوہ ازیں اعلیٰ درجہ کا فیشن ایبل سامان رولڈ گولڈ بٹن سلور کیس، سگریٹ کیس وغیرہ کا کافی اسٹاک موجود ہے

انتظام باقاعدہ — کاروبار باسلیقہ

ملازمین فرمانبردار صرف یہیں موجود ہیں

آر ویکاجی ہوٹل اینڈ کمپنی متصل امپیریل پوسٹ آفس حیدرآباد دکن

درسِ آزادی

از جناب حکیم آزاد صاحب انصاری

اہل غیرت ہے تو غیرت پیش کر
ملکی و ملی حمیّت پیش کر

قوم کے جانباز خادم پیش قوم
اپنی جانبازانہ خدمت پیش کر

اہل پھر دفع اہل شر نکال
جان بہر حفظ ملّت پیش کر

کبر و نخوت دھمکیوں جیت بیٹھے
اٹھ جواب کبر و نخوت پیش کر

التماس عاجزی کے دن گئے
اب غرور تاب و طاقت پیش کر

عرض حال بیکسی کے دن گئے
اب فور عزم و ہمّت پیش کر

عجز درویشانہ کی خو چھوڑ کر
بادشاہانہ جلالت پیش کر

خوف مرگ و زیست سے منہ موڑ کر
شانِ ارباب جلادت پیش کر

قوتوں کے امتحاں کا وقت ہے
تو بھی اٹھ اور اپنی قوت پیش کر

مرد کو خوف و خطر شایاں نہیں
مرد بن۔ مردانہ خصلت پیش کر

حیدرانہ قوت بازو دکھا
خالدانہ فتح و نصرت پیش کر

بے خطر گھمسان کی جنگوں میں کود
بیدھڑک شوق شہادت پیش کر

دادِ پامردی بلا حجت نہ چاہ
کوئی پامردی پہ حجت پیش کر

جنس آزادی بلا قیمت نہ مانگ
جنس آزادی کی قیمت پیش کر

قوم کو اپنی اعانت پر ابھار
دین کو اپنی حمایت پیش کر

ملک پھر ہمدرد آمادہ ہے
ملک کے آگے ضرورت پیش کر

پھر ادب سے ایشیاء کے سامنے
ربع مسکوں کی سیادت پیش کر

تفریح کیلئے بہترین مقام

دن بھر کی مصروفیت کے بعد خواہ وہ دماغی ہو یا جسمانی انسانی طبیعت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنا فرصت کا وقت کسی نہایت ہی خوش گوار اور پرفضا مقام پر گزرے جہاں شام کی تفریح کے لیے خوبصورت اور منقسم چمن اور چمن میں تھوڑے تھوڑے حصہ پر پرلطف نشست گاہ ہو اور بہترین برقی پنکھوں و روشنی وغیرہ سے بھی آراستہ ہو اسکے ساتھ ساتھ ہوٹل کی جملہ ضروریات کے علاوہ مختلف کھیل اور دلچسپیاں بھی ہوں اور جہاں یہ ساری باتیں ہونگی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تفریح کا حقیقی لطف صرف وہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ حیدرآباد میں صرف **ویکاجی ہوٹل** ہی ایک ایسا مقام ہے جو وسط شہر کی بلند اور عالیشان عمارت میں واقع ہے اور منظر بھی نہایت خوش نما اور دلفریب ہے۔ ہمارے کرمفرما اور معزز پبلک نے اس مقام کو زیادہ پسند کیا ہے۔ ہندوستانی، انگریزی، اٹالین خوش ذائقہ اور لذیذ کھانے مٹھائیاں ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ قیام کا معقول انتظام ہے سواری کی بھی سہولت ہے۔ ڈنر، ایٹ ہوم کی کیٹرنگ دیگر فرمائشات کی تعمیل حسب خواہش فی الفور کیجاتی ہے جو دوسروں کے مقابلہ میں بہت ہی پسندیدہ ہوتی ہے۔ برقی قوت سے چلنے والا اور ہر قسم کے مشروبات وغیرہ ہر وقت ٹھنڈا تازہ رکھنے والا مشین برقی رفریجریٹر کا بصرف زر کثیر ہم نے اس وقت سے انتظام کیا ہے جبکہ یہاں کہیں کسی ہوٹل میں بھی نہیں تھا اور اب یہ شکایت کہ سوڈا لیمن وغیرہ میں برف ڈالکر پینے سے غدود پھول جاتے ہیں گلوں میں درد پیدا ہوتا ہے اسی لیمن کے استعمال سے رفع ہوگئی علاوہ ازیں اعلیٰ درجہ کا فیشن ایبل سامان رولڈ گولڈ بٹن سلور کیس، سگریٹ کیس وغیرہ کا کافی اسٹاک موجود ہے

انتظام باقاعدہ **کاروبار باسلیقہ**

ملازمین فرمانبردار صرف یہیں موجود ہیں

آر ویکاجی ہوٹل لمیٹڈ متصل امپیریل پوسٹ آفس حیدرآباد دکن

عطر | مشک حنا | مشک عنبر | شمامۃ العنبر | دولہن | رات رانی | شمیم ہند | عرق نسیم روح پرور | حنا | اگر حنا | شمیم ہند | زعفرانی حنا | اگر بتی

روغنیات | بنگلور

حضرت اقدس و اعلیٰ

چنبیلی | میسور

کی سالگرہ مبارک کی مسعود گھڑی کے موقع پر ہر جاں نثار کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے مالک کی سالگرہ کی خوشی مناکر

موتیا | پونہ

اپنی وفادارانہ جذبات کا اظہار کرے عطریات ملے خوشبوئیات لگائے سب سے بڑی خوشی میں سب سے

نورتن مصالحہ | ملبر گہ شریف

بڑی دکان سے سب سے اچھے عطریات مندرجہ حاشیہ اور ہر ہیر آئیل سے بہتر ہیر آئیل روغن گلبہار عرف

بہار گیسو رجسٹرڈ خرید فرمایئے اس سے ہماری کمپنی کا منشاء اشتہار بازی نہیں بلکہ ملک میں صداقت پھیلانا

ہارسنگھار | شکی

اور برادران ملک سے محنت وہی کی داد حاصل کرنا ہے۔

صندل | عنبری

مینجر گلبہار کمپنی افضل گنج حیدرآباد دکن

گلاب | کیوڑہ | موتیا | چمپا | مولسری | اگر | ناگمیر | حسن | جوہی | سہاگ | پانڈری | صندلی | زعفرانی

میری لکڑی چھوٹ گئی

نواب میر محبوب علیخاں عمر ۷۰ سالہ سلطان شاہی و احمد بن عبد اللہ چاؤس سردار محل تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک شیشی خورد (منوہر لیس جنیدریہ بہا) سوقوعہ چوک میدانخاں حیدرآباد دکن سے خرید اور استعمال کیا جسکے استعمال سے مجھے اتنی طاقت حاصل ہوئی کہ میں جو لکڑی کے سہارے چلتا تھا میری لکڑی چھوٹ گئی اور بخوبی طاقت حاصل ہوئی اس لیے میں آپکو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ لوگ اسکو استعمال کرکے فایدہ اٹھائیے (اورجوان بنجائیے قیمت فی شیشی (۵) خورد (۲ء)

بواسیر

محمد حسن خان موٹر ڈرائیور عزیز موٹر سروس نظام آباد سے تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر سے سخت تکلیف تھی۔ پنڈت منوہر لال حکیم لکھنوی کی ایجاد کردہ (ارسکنڈھار) کا استعمال کیا مجھے بیحد فایدہ ہوا اس لیے میں حکیم صاحب کا ہمیشہ کیلئے مشکور ہوں قیمت فی شیشی (۲) خورد (۱ء)

میرے عزیز دوستو

اگر آپ کے جسم کا خون خراب ہوگیا ہو تو آج ہی پنڈت منوہر لال حکیم لکھنوی چوک میدان خاں حیدرآباد دکن (سوجد منوہر لیس جنیدریہ بہا) کا ایجاد کردہ جو (۸۴) ادویات کا مرکب ہے منوہر سارسا استعمال کیجئے کیونکہ میرے کئی دوست برس کے سفید داغ پندرہ سالہ پھوڑے وامراض خبیثہ کے مریض اچھے ہوچکے قیمت فی شیشہ (ع) ۔ آپ کا دوست محمود عباس دار الشفاء و ولی محمد وکیل ناگر کرنول و محمد مستان علی اہلکار صدر المہام صرف خاص مبارک حیدرآباد دکن ۔

حکیم پنڈت منوہر لال لکھنوی چوک میدانخاں (حیدرآباد دکن)

بہترین اگربتیاں

میسور کے مشہور و معروف کارخانہ کی خوشبودار اگربتی استعمال فرمایئے حیدر سکنڈ میں جس کے خوشگوار خوشبو سے سارا کمرہ مہک جائیگا۔ ہمیں مہتابی اگربتی بھی ہے جس کے جلانے سے مچھر و پسو وغیرہ ہلاک ہوجاتے ہیں آجکل مچھر و پسو وں سے محفوظ رہنے کی سخت ضرورت ہے پس اسکو ضرور استعمال کرکر فایدہ اٹھائیے۔

احمد ٹریڈنگ اینڈ ڈسٹری بیوٹنگ ایجنسی سالار جنگ بلڈنگ حیدرآباد دکن

آپ کی قدر افزائی کا شکریہ

چونکہ ہم نے راست بازی اور دیانت داری کو آج تک نہیں کھویا اس لیے ہمارے کرم فرما بھی قدر افزائی سے دریغ نہیں فرماتے ہیں یہی نہیں بلکہ اس میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے، یہ امر محتاج وضاحت نہیں ہے اور ہم نے اپنے ہاں کے اسٹاک میں دن بدن جدید مروجہ فیشن ایبل چیزوں کا بھی اضافہ کر رہے ہیں

ہمارے اسٹاک کی مفصل نہیں تو

مختصر سی کیفیت آپکی خدمت میں پیش ہے، کرسٹی ٹوپیاں مختلف اقسام کی ولایت کے مشہور و معروف کارخانہ جات باٹا ہیلین، اسمارٹ نوٹ ویرہ وغیرہ وغیرہ اور دیسی میں فلیکس، بی یم، گڈ لک، تھری ساور لی برانڈ وغیرہ وغیرہ کے مرڈر این درنگ کے بوٹ شوز، ہم شوز زنانی و مردانی اور اونی سوئٹر، سوٹر کوٹ، بلانکٹ ایران کے بہترین کمیاب قالین۔ نئی وضع کی ریشمی و سوتی وستیاں، پاتابہ بیرن ٹیکٹ اور اعلیٰ درجہ کے صابن، شیروانی کے مختلف رنگ کی گنڈیاں وغیرہ کا بہترین اسٹاک انگلستان و دیگر ممالک سے کثیر مقدار میں منگوایا گیا ہے۔

امید کہ تشریف لاکر ہمیں شکریہ کا موقع دیا جائے گا۔

محمد اعظم معین الدین ترکش کیاپ بوٹ شوز اینڈ جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ حیدرآباد دکن

دھوکہ باز عطر فروشوں سے بچیے

جو شہر میں یا اضلاع میں ہمارے کارخانہ کا ایجنٹ ہونا ظاہر کرکے سُرمہ وغیرہ فروخت کرتے ہیں یا آرڈر لیتے ہیں۔

واضح رہے ہمارا کوئی ایجنٹ ہندوستان یا ممالک محروسہ سرکار عالی میں نہیں ہے ہمارے کارخانہ کی

شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن

اور

چاندنی چوک دہلی میں

موجود ہے جہاں جملہ قسم کے عطریات روغنیات وغیرہ لکھنؤ کے مقررہ نرخ پر ملتے ہیں جملہ خط و کتابت

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

کے نام ہونا چاہیئے اگر کسی دوسرے نام سے خط روانہ کیجیے گا تو کارخانہ ذمہ دار نہ ہوگا فہرست مفت طلب کیجیے گا

تصدیق اعلیٰ

خدمت شریف جناب مولوی حکیم محمد بن صالح صاحب حیدرآباد دکن اندرون دروازہ گولی پورہ

السلام علیکم۔ قرص حیاۃ الملک دردسر وغیرہ کے تین روپیہ کے اور گونین کے گولیاں بخار کے ایک روپیہ کے جملہ چار روپیہ کی دوا ذریعہ ٹپہ کے پتہ ذیل کے وی پی کرکے روانہ کردیجئے، یہ تیسرا وقت ہے جو میں قرص حیاۃ الملک اور بخار کی گولیاں آپ سے طلب کر رہا ہوں، حقیقت میں دردسر کی دوا حیاۃ الملک اور بخار کی گولیاں نہایت فائدہ بخش اور آرام دہ ثابت ہوئے مہربانی فرماکر میری اس تحریر اور صداقت کو درج اخبار بھی فرمادیجئے تاکہ دوسرے اصحاب بھی اس سے آرام اور فائدہ حاصل کرسکیں

حیدر حسین سابق انسپکٹر پولیس مقیم حیدر منزل، نانڈیڑ،

حب یاقوت اعلیٰ

یہ دوا نہایت مقوی باہ دافع کثرت احتلام مغلظ منی دافع جریان و سوزاک و مفرح و مقوی وغیرہ یہ دوا عجیب غریب ہے وبہترین دوا ہے پس اس دوا کو اسلیے شہرت میں لائی جاتی ہے کہ مزارہا اس دوا کا تاثی سے فائدہ اٹھائے قیمت کچھ نہیں صرف فی روپیہ نو گولیاں یہ قیمت مقابلہ اس فوائد کے کچھ نہیں طریقہ استعمال دوا وغیرہ مع دوا کے تحریر کیجائیگی ہمارے دواخانہ میں ہر مرض کے بہترین و مجرب ادویات تیار رہتی ہیں تا ہر مریض کو جلد سے جلد آرام ہو فقط۔

المشتہر۔ حکیم محمد بن صالح اندرون دروازہ گولی پورہ بلدہ حیدرآباد دکن۔

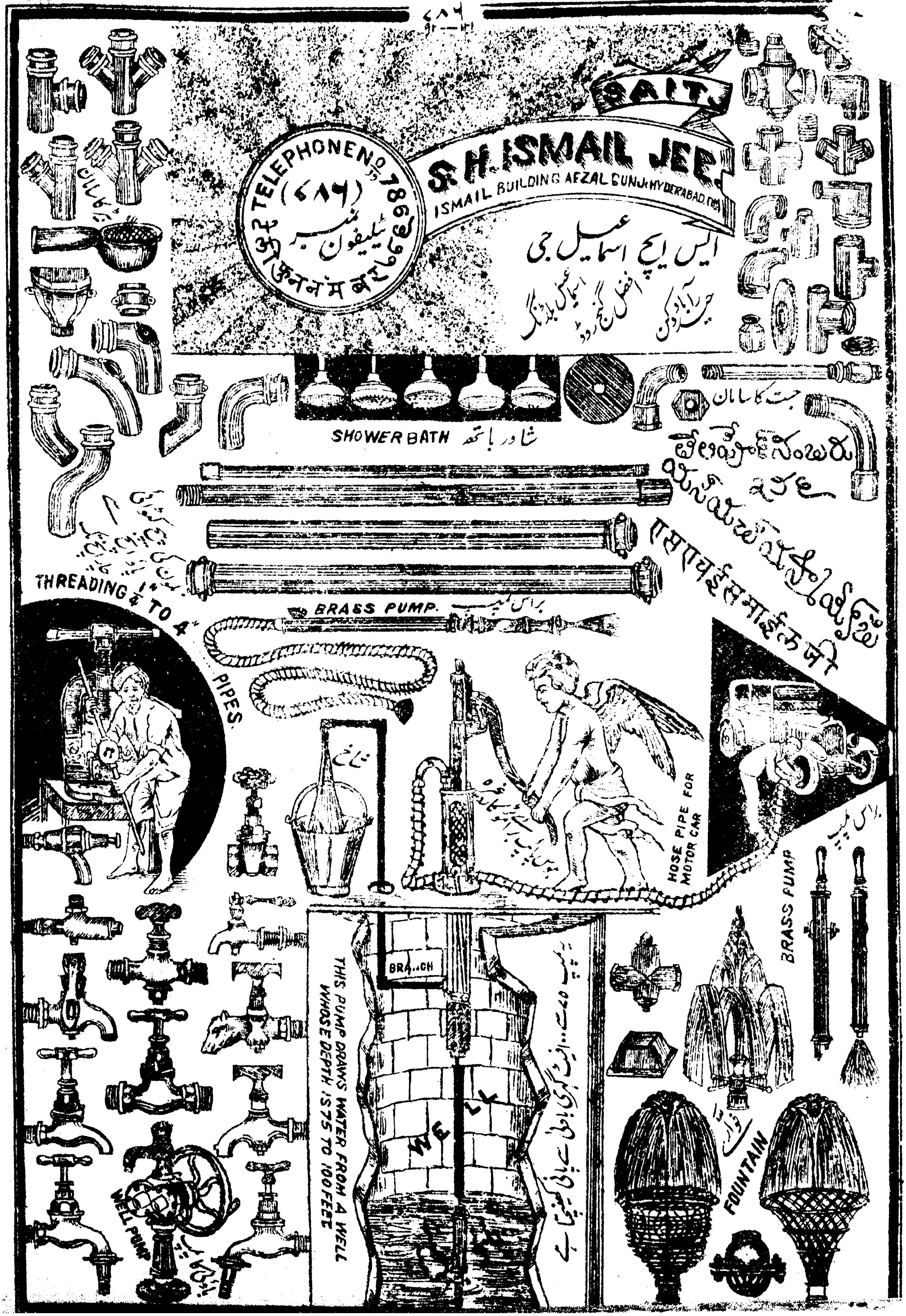
SAIT
TELEPHONE No. 786
ٹیلیفون نمبر
S. H. ISMAIL JEE
ISMAIL BUILDING AFZAL GUNJ, HYDERABAD (DN)
ایس ایچ اسماعیل جی
SHOWER BATH
شاور باتھ
جست کا سامان
THREADING ¼" TO 4" PIPES.
BRASS PUMP.
براس پمپ
HOSE PIPE FOR MOTOR CAR
BRASS PUMP
THIS PUMP DRAWS WATER FROM A WELL WHOSE DEPTH IS 75 TO 100 FEET
WELL
FOUNTAIN
WELL PUMP

شاعری کی ماہیئت

از ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب پی، ایچ، ڈی
پروفیسر ادب انگریزی جامعہ عثمانیہ

ذیل کا مضمون ڈاکٹر صاحب کی معرکۃ الآرا انگریزی کتاب "غالب" کا ایک ٹکڑا ہے جس کا ترجمہ بڑی حسن وخوبی کے ساتھ سید معین الدین صاحب قریشی ایم اے پرنسپل آصفیہ ہائی اسکول نے کیا ہے جو عنقریب شایع ہوجائیگی۔

جب ہم کسی شاعر کی کسی نظم کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟ اس امر سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ نظم دراصل ایک آلہ ہے جس سے شاعر اپنے باطنی تجربہ کو اوروں تک پہونچانے کی کوشش کرتا ہے یہ گویا اس کی واردات قلب کا ایک آئینہ ہے جس میں اوروں کو بھی اپنے دل کی بات نظر آتی ہے۔ اب نظر دوڑا کر یہ دیکھنا چاہیئے کہ شاعر اس کوشش میں کتنی منزلیں طے کرتا ہے، ہم نے ابھی ابھی یہ بیان کیا کہ نظم اصل میں ایک آلہ اظہار ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے مختلف اجزا کیا ہیں؟ سب سے پہلے الفاظ ہیں جن کو ہم "لفظیات شعر" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پھر وہ خاص طریقہ ہے جسکی مدد سے ان الفاظ کو صنعت گری کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ ان میں تکمیل اور وحدت یا ہم آہنگی کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ یہ طریقہ اصطلاح میں "تنظیم شعر" کہلاتا ہے اس ساری کاوش کا نتیجہ "صورت شعر" ہے جس کا منشاء سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ شاعر کے دل کی بات یعنی اسکے "شاعرانہ تجربہ" کی ترجمانی کرے۔ یہ شاعرانہ تجربہ کس طرح ظہور میں آتا ہے! شاعر کے دل میں ایک بات اتر جاتی ہے جو یا تو خود اس کی اپنی یا اوروں کی زندگی کے کسی واقعہ پر مبنی ہوتی ہے یا کسی خیال رکنایہ یا یادپر۔ یہی شاعر کا مواد کہلاتا ہے یہ مواد شاعر کے دل میں جاگزیں ہوکر اس کے تخیل کے زیر اثر، احساس، کیفیت اور تعبیرات کو ابھارتا اور خود اس میں گم ہوجاتا ہے یہ الفاظ دیگر وہ شاعر کی روح میں سما کر کچھ اس طرح شیر وشکر ہوجاتا ہے کہ اسی کا ایک مستقل اور لاینفک جز بن جاتا ہے اس کو ادبی تنقید کی زبان میں "القا" کہتے ہیں یہ القا ہر شخص پر طاری ہوسکتا ہے۔ لیکن جب تک کہ وہ خاص روپ یا بزبان اصطلاح ایک مستقل شکل میں "تصور پذیر" نہ ہولے باطنی عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔ یہ عمل اگر مکمل ہو بھی جائے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شاعری وجود میں آگئی۔

صرف "القا" شاعری نہیں۔ ہم میں کے سب نہیں تو بعض ضرور ایسے ہیں جن کے دلوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی بات اتر کر القا کی کیفیت پیدا کردیتی ہے اور بعض اوقات یہ القا، ایک موزون اور مستقل صورت بھی اختیار کرلیتا ہے، لیکن پوچھنا یہ ہے کہ کیا اسی کا نام شاعری ہے اور کیا ہم سچ مچ شاعر ہوگئے؟ ہم بیشک اس مرتبہ پر فائز ہوسکتے ہیں بشرطیکہ اپنے "تصور" کو اسکے تمام خدوخال کے ساتھ اوروں تک پہونچانے میں کامیاب ہوجائیں۔ لیکن یہ ہمارے بس کی چیز نہیں۔ ایک سچا شاعر زبان کے سہارے اسکو کردکھاتا ہے۔ مکمل نظم دراصل باطنی تصور کی آئینہ بردار ہے، وہ صورتاً اپنی اصل سے جسقدر قریب ہوگی اسیقدر اس کا پایہ حیثیت فن بلند ہوگا اور شاعر کا مرتبہ بھی ایک صاحب فن کے اعتبار سے اعلیٰ وارفع ہوگا

مذکورہ بالا گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نظم کی ابتدا، شاعرانہ اضطراب سے ہوتی ہے جس کو ہم "ابتدائی ہیجان" سے تعبیر کرسکتے ہیں یہ ہیجان جو کسی نہ کسی وجہ سے پیدا ہوجاتا ہے، شاعر کے دل پر اثر انداز ہوتا اور اس کی روح میں بس جاتا ہے پھر یہ اس پر بعض کیفیات وخیالات کو طاری کرکے ایسی مخصوص "شان" حاصل کرلیتا ہے جو جلد یا بتدریج ایک صورت اختیار کرتا اور بالآخر زبان کے ذریعہ لباس نظم میں دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

اس عمل کی مختلف ارتقائی منزلیں ہمارے پیش نظر رہنی چاہئیں تاکہ اس امر کا تعین ہوسکے کہ غالب کی شاعری سے کونسے سوالات درحقیقت متعلق ہیں،

لیکن اس عمل پر اظہار خیال کرنے سے پہلے محقق کو غزل گوئی کی چند خصوصیات پر غور کرنا ہوگا۔

سب سے اول تو یہ کہ غزل کی حیثیت نظم کی نہیں، اس میں نہ تو وحدت پائی جاتی ہے اور نہ اس کے باہمی اجزا میں کوئی ہم آہنگی اسی لئے اس کی کوئی عضوی صورت بھی نہیں، غزل الگ الگ اشعار کا گچھا ہے اسمیں کبھی کبھی ایک خاص مفہوم ایک سے زائد اشعار میں بھی جھلکنے لگتا ہے لیکن عموماً ہر شعر اپنا مستقل وجود رکھتا ہے۔ ایک شعر کا دوسرے شعر سے اگر کوئی تعلق ہوتا بھی ہے تو اس کی بنیاد صرف وہ آواز ہے جو ردیف یا قافیہ سے پیدا ہوتی ہے اور جس کی اہمیت سوائے ترنم کے اور کچھ نہیں۔

اس طرح ایک غزل گو شاعر کا دائرہ عمل بہت ہی تنگ اور محدود ہوتا ہے یعنی صرف ایک شعر ایک اچانک خیال یا الفاظ کی ماہرانہ ترکیب، اس کے فن یعنی فن غزل گوئی کی تمام پیچیدگیوں کی

حاصل ہو سکتی ہیں، مثنوی، قصیدہ، مسدس، ترجیع بند کا البتہ یہ حال نہیں، ان کا دائرہ عمل نسبتاً وسیع ہوتا ہے اور جذبہ و تخیل میں ربط و تسلسل پایا جاتا ہے اور شاعر کو ان اصناف میں زیادہ کمال صرف کرنا پڑتا ہے، شاید اسی بنا پر غالب نے ایک مرتبہ محسوس کیا کہ اس کا بہترین کمال اس کے قصائد میں ہے، اس کمال سے غالباً اس کا منشا اس کا اپنا "فنی" کمال ہے کیونکہ اسکی بہترین "شاعری" مسلمہ طور پر اس کی غزلوں ہی میں پائی جاتی ہے۔

غزل گوئی کی دوسری خصوصیت جو ہر اچھوتے سے اچھوتے احساس کا گلا گھونٹ دیتی ہے وہ ان چند خاص مقررہ اوزان، صنائع بدائع اور تشبیہ اور استعارہ کے تقویم پارینہ کی روایتی پابندی ہے جو فارسی اور اس کی راہ سے عربی سے مستعار لئے گئے ہیں، موجودہ زمانہ میں رسم و قدامت کی زنجیریں آسانی سے توڑی جا سکتی ہیں لیکن اس زمانہ میں خود غالب کے لئے جو حتی الامکان رسم پرستی کے خلاف جنگ آزما ہوتا تھا یہ کوئی آسان کام نہ تھا،

یہی وجہ ہے کہ غالب میں ایک طرف تو رسم قدیم کی پابندی نظر آتی ہے اور دوسری طرف اس لکیر سے ہٹکر خود اپنا ایک الگ راستہ بنانیکی محسوس مگر دبی ہوئی کوشش، اس آخری پہلو سے اگر اس کے کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوگا کہ وہ مقررہ اوزان و بحور کی کوتاہیوں سے اپنا سر نہیں اٹھا سکا البتہ گاہے ماہے مقررہ "تعطیلات" سے بلند نکل گیا،

یہ معلوم کرنا مشکل نہیں کہ غالب کے کن اشعار میں پرانا رنگ نمایاں ہے لیکن چونکہ رسمی الفاظ بھی بعض اوقات ایک اصلی احساس کو جامہ پہنا سکتے ہیں اسلئے رسمی اشعار کا تعین کرنا محض ایک قیاس پر مبنی ہوگا۔ اسی طرح باقی تمام اشعار کو شاعر کے اصلی شاعرانہ تجربہ کا مظہر قرار دینا بھی ایک قیاسی چیز سمجھی جائے گی تاہم بعض اشعار کے متعلق یہ بتلانا زیادہ مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنی خصوصیت پنہاں یا شاعر کے بعض واقعات زندگی کے لحاظ سے اپنے اندر اہمیت کی شان رکھتے ہیں،

مشہور نقاد اور شاعر مسٹر لیاسلس ایبرکرامبے اپنے دلپذیر اور فکر انگیز رسالہ نظریہ شاعری میں یہ بیان کرتے ہیں کہ "کسی شاعر کا القا السنان کی زندگی کے ان اسرار سے وابستہ نہیں ہوتا ہے جن کو واضح کرنے کی ناکام کوشش اسکی سوانحعمری میں کیجاتی ہے"۔ یہ خیال رزمیہ یا تمثیلی شاعری پر غالباً صادق آسکتا ہے بلکہ شاید "تخلیقی" سرودی شاعری پر بھی پورا اترے لیکن یہ کسی طرح بھی خالص وجدانی شاعری پر پورے طور پر چسپاں نہیں ہوتا۔

قصیدہ تقریب سالگرہ مبارک

از جناب ابو سعید محمد عبدالقادر صاحب رضا روحی طبیب یونانی متعلقہ حکیم بیا ل

اے ز عکس جاہ تو بر چرخ رخشاں آفتاب
مے بزیر ظل اقبال تو پنہاں آفتاب

آسماں ششدر ز عکس نور جاہ تابدار
ہم برنگ آئینہ گشتست حیراں آفتاب

لرزہ در اندامش از رعب وقار تو فتاد
ہمچو سیم اندر کاسۂ پر آب لرزاں آفتاب

تا کند با تیز گامی در جہاں تشہیر جاہ
پس سمند آسماں آورد دوراں آفتاب

ضرب چوگانت گہے مشرق گہے مغرب برد
گوئی بر چرخ است ہمچوں گوئے میداں آفتاب

تا سرایم بر زمین از مدح جاہت نغمہ
ہست بر چرخ چہارم پائے کوباں آفتاب

مہر پرتو گیرد از جاہت کہ آں مبدائے فیض
نور افشاند بجوہ و کاہ یکساں آفتاب

من نمیں دانم کہ بہر اقتباس نور جاہ
بر زمین از روشنی گسترد داماں آفتاب

ار ببیند شمہ از حسن جاہت، آن دمے
رخت خود مینی نہد بر طاق نسیاں آفتاب

آسماں گردش ندارد ہم نمی گردد زمیں
بلکہ گرد نقطۂ جاہ تو گرداں آفتاب

ار ببیند جلوۂ جاہ تو از بام فلک
روئے خود را باز ننماید بدنیساں آفتاب

گر خیال ہمسری جاہ تو آرد کسے
افگند تیر بلا از چرخ براں آفتاب

جلوۂ جاہت چہ بیند از غبار دل حسود
گم کند تطرہ از ابری آید بباراں آفتاب

بالیقیں گر مدح جاہ تو نہ گیرد اختیار
بر زمین شعر صد چرخ و ہزاراں آفتاب

تا شراب آتشین کز حب جاہت ریختند
بر فلک چوں ساغر بلور رخشاں آفتاب

نور مضمون ثنایت در فضائے سینہ ام
در دلم از معنی اوست پنہاں آفتاب

می رود از گرمی جاہ تو بر د مغلساں
ہمچوں عریاں را خوش آید در زمستاں آفتاب

گرہ ہائے سال او یارب چوں انجم بیشمار
شدہ وارش تا بود بر چرخ رخشاں آفتاب

ذرہ سال روحی چہ وصف آں عالی وقار
بر زمیں ہر فرد و بر گردوں ثنا خواں آفتاب

دکن بٹن فیاکٹری حیدرآباد

مینوفیکچررس آف

گولڈ، کیارٹ گولڈ، رولڈگولڈ، سلور، اسٹیٹن سلور، پیور وائیٹن، انا ملڈ اینڈ ملٹری بٹن،

ٹریڈ مارک

کارخانہ کے مال کی شناخت کیلئے ہرگنڈی کی پشت پر ٹریڈ مارک کندہ کردیاگیاہے، خریدنے کے پہلے ٹریڈ مارک ضرور ملاحظہ فرمالیاکریں نقلی مال خرید کر دھوکہ نہ کھائیں

پروپرائٹر محمد غوث الدین گورنمنٹ کنٹراکٹر حیدرآباد دکن

پھر کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

ہمارے یہاں بلحاظ ہرموسم کے موسمی پارچہ جات کا تازہ بتازہ نیا اسٹاک مثلاً لٹو ٹیبا، سرج، کشمیرا، فلالین، ودیشی سلک، ساختہ احمد آباد و ابرہیانہ کیالیکٹ، واورنگ آباد (دکن) کشمیری شال دوشالہ و زنانہ ملبوسات کے لئے ہمہ قسم ریشمی و سوتی پارچہ جات کے علاوہ

بنارسی پارچہ جدید خوش وضع اور بہت

وغیرہ بکفایت فروخت ہوتے اور آرڈر دئے جانے پر تیار بھی ہوتے ہیں۔ قبل از خریدی ضرور تشریف لائیے یا ہمیں طلب فرمائیے، اضلاع کے آرڈر ذریعہ وی، پی

خادم الملک

سید حسین روشن علی تاجر پارچہ پتھرگٹی حیدرآباد دکن

بسنت جنٹل مین ہیر آئیل

امتحان کردہ محکمہ دارالتجربہ سرکار عالی

مفرح دماغ، مقوی بصارت، بہترین خوشبودار، بال بڑھانے میں لاثانی ہم اس قابل قدر ایجاد کی اشتہاری تعریف کرنا نہیں چاہتے صرف ایک مرتبہ کی آزمائش کے مستدعی ہیں آپ پر خود اس کی خوبیاں ظاہر ہوجائیگی، البتہ یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ فواید و خوشبو کے لحاظ سے کوئی تیل اس کا مقابلہ نہیں کرتا قیمت فی شیشی ایک روپیہ ہر دوکان سے دستیاب ہوسکتی ہے اضلاع کے لئے بیوپاریوں سے نرخ میں خاص رعایت کیجائیگی،

سول ڈسٹری بیوٹر

جی روبرادرس بازار عیسیٰ میاں حیدرآباد دکن

ہمارے ملک کے عام پسند اشیاء

ہماری کمپنی کے حسب ذیل تیار کردہ اشیاء نہ صرف ہی ملک میں پسند کئے گئے، بلکہ غیر ممالک میں بھی مقبولیت حاصل کرچکے ہیں چنانچہ میسور کی حالیہ نمائش میں اس کمپنی کے تیار کردہ اشیاء کو پسند کیا جاکر سرٹیفکٹ عطا کیا گیا ہے،

ہیر آئیل		سنٹ	
پشپ تارا ہیر آئیل	تعہ	پشپ تارا سنٹ	عہ
نور دکن "	۱۲ر	راما "	عہ
نرگس حور "	عہ	کرشنا "	عہ
چمبیلی "	عہ	اٹو نور دکن	عہ
للی روز "	عہ	اٹو پشپ تارا	عہ

امید کہ ہمارے ملکی بھائی بھی اس ملکی صنعت کی قدر دانی و سرپرستی فرماکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے ہیر آئیل سنٹ و عطریات وغیرہ کیمیائی طریقہ پر تیار کرنے میں اس کمپنی کو کمال حاصل ہے، ہم کو یقین ہے کہ صرف ایک دفعہ کے استعمال سے آپ ہمارے مستقل خریدار بن جائینگے،

بھگوان اینڈ کمپنی مینوفیکچرنگ پرفیومرس گلزار حوض حیدرآباد دکن،

آپ بالکل غلطی پر ہیں

تمام اشتہاری ادویات بالکل بے فائدہ ہیں. اگر آپ ایک روز مقویات نام آتنگ نگرہ گولیوں کا استعمال کریں گے تو معلوم کرلیں گے کہ میں اب تک غلطی پر تھا. گولیاں شرطیہ طور پر ضعف بدہضمی خون وغیرہ کی خرابی جریان و احتلام رقت نامردی وغیرہ موذی امراض کو نابود کرکے توانائی و مردمی بخشتی ہیں. فی ڈبیہ ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

ویدشاستری جام نگر

ایجنٹ

بھگوان اینڈ کمپنی گلزار حوض حیدرآباد

اطلاع مدراس مردہ زندہ

یم احمد اللہ خاں صاحب مدراس سے تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سے مرض بحش میں مبتلا تھا. آپ کا اشتہار زندہ طلسمات نظر سے گذرا میں نے ایک شیشی ایک روپیہ والی خریدی اور اس کا امتحان کیا. واقعی یہ مردہ کو زندہ کردیتی ہے.

میری بحش ایک ہی وقت کے استعمال سے مزاج سنبھل گیا، براہ کرم ایک شیشی ایک روپیہ والی میرے نام روانہ فرمائیے،

رقم

یم احمد اللہ خاں پیران پلی

اسٹریٹ مدراس

سوسائٹی میں عورت کا درجہ

(از محترمہ اختر سلطانہ صاحبہ)

دنیا کے مختلف ممالک کی تہذیب و تمدن کا اندازہ لگانے کا ٹھیک معیار یہی ہو سکتا ہے کہ وہاں کے طبقہ نسواں کی زندگی کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے۔ انسانی تہذیب و معاشرت کو جن ارتقائی منازل سے گزرنا پڑا ہے اور اس وقت ہماری معاشرت جس سانچہ میں ڈھلی ہوئی نظر آرہی ہے اس کی ساری داستان عورت کی معصوم زندگی کی زبانی سنی جا سکتی ہے۔

قوموں کے عروج و زوال ان کی عظمت و شوکت اور جاہ و جلال غرض ان کی زندگی اور موت کے مسئلہ میں عورت کا اتنا زبردست حصہ رہا ہے کہ اس کو تاریخ تمدن کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اجتماعی زندگی کے سنوارنے میں عورت نے جس شوق و دلچسپی سے حصہ لیا ہے اسی تناسب سے اس کے نازک اور معصوم دل پر سرد مہری کے چرکے لگائے گئے ہیں، مرد کی استبدادیت اور خود سری نے محبت کے اس لطیف اور حیات آفریں پیکر کی قدر و قیمت کا کبھی صحیح اندازہ نہیں لگایا اور آج بھی وہ خود غرضی اور خود پسندی کے نشہ میں چور نظر آتا ہے جن اقوام و ملل نے عورت کی حقیقی عظمت کو مد نظر رکھا اور نہ صرف یہی بلکہ سوسائٹی میں اسے وہ درجہ دیا جس کی وہ مستحق ہے وہ تہذیب و معاشرت، اور اخلاق و تمدن کے سرمایہ دار بن گئے، اور وہ قومیں آج بھی نکبت و افلاس اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی نظر آئیں گی جن کے مردوں نے عورت کی زندگی کی روح کو سلب کر لینے کی کوشش کی ہے۔

انسانی تمدن کی تاریخ عورت کی ہمیشہ ممنون رہے گی کہ اس کی بدولت اجتماعی زندگی نے ایک خاص شکل اختیار کر لی ان جذبات عالیہ کی پیداوار اسی محترم طبقہ کا طفیل ہے جو قوم کی ناتواں رگوں میں حیات آفریں دوڑا دیتے ہیں، اسلامی تہذیب و تمدن کا زوال صحیح معنوں میں اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ عورت کے صحیح مرتبہ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی، فطرت کا حسن اصلی جب سیاہ بادلوں میں چھپ گیا، محبت کے روح پرور نغموں کے سرچشمے خشک ہو گئے تو زندگی میں وہ لچک باقی نہیں رہی جو معاشرت کی جان ہے۔ وہ نرم و نازک پھول جن پر سدا بہار ہونے کا گمان ہوتا تھا، پژمردہ ہو کر رہ گئے بہار کے دور کی لطافتیں ختم ہوئیں، اب خزاں کی باری تھی، خزاں کے بے رحم ہاتھوں نے چمن کو لوٹ لیا۔

شمع اب بھی ٹمٹما رہی ہے لیکن اسکی نورانی شعاعیں اتنی دھیمی ہو گئی ہیں کہ تاریکی بہت جلد اپنا قبضہ جما سکتی ہے۔

ہماری تہذیب و معاشرت کا یا تو وہ دور ہے جس میں عورت کی عظمت کا سچا احساس اور انسانی زندگی میں اس کا ایک درجہ متعین تھا اور آج یہ حالت ہے کہ سوسائٹی میں عورت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

میں عرض کر چکی ہوں کہ قوموں کے عروج و زوال میں عورت کی زندگی کا خاص حصہ ہے، اسی حساب سے معاشرتی زوال کے ساتھ قوموں کے انحطاط کا زمانہ بھی شروع ہوتا ہے اسلامی تہذیب و تمدن میں زوال کے اسباب یہی تھے کہ مردوں کی اقتدار پسندی اور جاہلیت کا تختہ مشق عورت کی معصوم زندگی بنی، عورتوں کو غلام بنانے میں جتنا زور صرف کیا گیا اسی قوت کے ساتھ غلامی کی بیڑیاں پاؤں میں پڑ گئیں جس قوم کی عظمت و جلال کا سکہ ساری دنیا پر بیٹھا ہوا تھا، اس کا شیرازہ بکھر گیا، ایک دور وہ تھا جبکہ ہماری قوم نے تخت و تاج کے مزے لوٹے تھے اور آج اپنی حسرت نصیبوں پر ماتم ہو رہا ہے۔ قوموں کے عزل و نصب میں عبرت کے کتنے سدا بہار مرقعے پوشیدہ ہوتے ہیں!

بہرحال انسانی زندگی کی تاریخ عورت کے اشتراک عمل کے بغیر نامکمل ہے، عورت کا سوسائٹی میں کیا درجہ ہونا چاہیے اس کو نظر انداز کر کے نہ کسی قوم نے آج تک ترقی کی ہے اور نہ اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ آیندہ بھی کبھی ایسا ہو گا۔

عورت کی زندگی عبارت ہے، ان پاکیزہ اخلاقی قوتوں سے جو انسانی زندگی کو ایسے عمدہ سانچے میں ڈھال دیتے ہیں جس سے زندگی کے

ہر شعبہ میں ایک توازن اور اس کے ہر رخ میں تقدس کی ایک جھلک نظر آتی ہے ابتدائے آفرینش سے عورت بنی نوع انسان کے تقدس کی روایات کی علمبردار رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی بربادی اور تباہی میں بھی اس کا خاصہ حصہ رہا ہے۔

عورت فطرت کا ایک حسین تصور ہے ایک ایسا لطیف شعر ہے جس کی شاعرانہ نزاکتوں اور کیف و جمال کی تشریح ممکن نہیں، عورت روح کو تڑپا دینے والا ایک نغمہ ہے جس پر کائنات سر دھن رہی ہے۔ عورت شرم و حیا کی دیوی ہے، عفت و پارسائی اس کا طغرائے امتیاز ہے، اس کی شان جمالی کی تجلیاں اتنی کیف بار ہوتی ہیں کہ مرد نے اکثر اوقات اس کی پرستش کی ہے۔

یونانی اصنام پرستی کی تاریخ کا ہر ورق اس بات کی گواہی دے گا کہ عورت کی وہاں صدیوں پرستش ہوئی ہے اور نظام عالم کے سارے کاروبار اسی کے نام پر چلتے رہے ہیں۔

عورت کی تخلیق جن لطیف عناصر سے ہوئی ہے ان میں محبت کا بہت بڑا حصہ شامل ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کی زندگی اتنی پرعظمت اور پاکیزہ ہو گئی ہے، عورت کی فطرت کا سب سے بڑا نمونہ محبت تھا اور آج تک وہ اس جوہر پر ناز کرتی ہے، عورت کی زندگی کے ارتقائی مدارج پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ مہد سے لحد تک محبت کا سایہ اس کے سر پر رہتا ہے، وہ اسی ماحول میں پرورش پاتی ہے اور ذہنی شعور کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ لطیف صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ تا آنکہ وہ ایسی زندگی کی تلاش میں نظر آتی ہے جہاں محبت ہی کی حکومت ہو۔

دنیا کے افکار و حوادث اور رنج و الم اس کی زندگی کو بے کیف نہیں بنا سکتے، اس کی معصوم زندگی مردوں کی بہ نسبت رنج و محن کو برداشت کر لینے کی عادی ہے لیکن محبت کے معاملہ میں اس کا دل بہت نازک ہے، وہ اس ٹھیس کو برداشت نہیں کر سکتی کہ محبت کے جواب میں بے اعتنائی برتے، فریب و ریاکاری سے اس کے دل پر فتح حاصل کی جا سکتی ہے لیکن غرور و تکبر کے ساتھ اس کی محبت کو نہیں ٹھکرایا جا سکتا۔

عورت کے لیے محبت ہی سب کچھ ہے اور یہ نہیں تو اس کے لیے دنیا بھی کچھ نہیں اگر میں یہ کہوں تو نامناسب نہ ہو گا کہ عورت کے مقابلہ میں مرد کی محبت کا جذبہ بہت کم ہے یا اس لطیف عنصر کا تناسب دونوں کی خمیر میں ایک ہی ہے لیکن خودسری، خودغرضی اور تن آسانی پسندی کی ہوس میں وہ اس جوہر کو ٹھیک طور پر ادا کر نہیں کر سکتا ایک فرانسیسی انشا پرداز کی رائے ہے کہ جسمانی امراض کی طرح عشق و محبت بھی ایک مرض ہے جس طرح جسمانی نظام میں خلل آ جانے سے انسان بیمار ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانی جذبوں میں ہیجان پیدا ہو جانے کا نام محبت ہے۔ انسانی زندگی میں عشق و محبت کے روح پرور جذبہ کی اس سے زیادہ اور کیا توہین ہو سکتی ہے کہ زندگی کو صورت اور صحت کو مرض کے نام سے تعبیر کیا جائے۔ بہرحال میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ محبت کو مرض سے تعبیر کرکے انشا پرداز مذکور اپنی صنف محترم کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مرد چونکہ اسی قسم کے مرض میں مبتلا ہونے کے عادی بھی ہیں اس لیے ان کا اعتبار ہے کہ اسے محبت سمجھیں لیکن میرے نزدیک یہ محبت کی بے انتہا توہین ہے۔

محبت کے متعلق مذکورہ بالا عجیب و غریب نظریہ ہندوستانی مردوں کی زندگی سے خاص تعلق رکھتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہی کے مطالعہ کے بعد وضع کیا گیا ہے ہندوستانی سوسائٹی کی موجودہ حالت یہاں تک نوبت پہونچ چکی ہے اس میں مردوں کی قدامت پسندی، کوتاہ نظری اور انانیت کا بڑا حصہ ہے، عورت کی زندگی کی ان کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ اس کے احساسات کی کوئی پرواہ نہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی محبت کا کوئی احساس موجود نہیں۔

ازدواجی زندگی ہمارے تمدن و معاشرت کا ایک تاریک ترین رخ ہے اور ضرورت ہے کہ اس پہلو پر زیادہ توجہ کی جائے، معاشرتی زبان میں ازدواج، کا مفہوم یہی ہے کہ مرد اور عورت اس زندگی میں قدم رکھ کر جہاں خیالات و تصورات کی ایک نئی دنیا آباد رہتی ہے نسل انسانی میں اضافہ کرتے ہیں۔ ازدواجی دور زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ایک مرد یا عورت پر ذمہ داریاں بہرحال عاید رہتی ہیں لیکن ازدواج کے ساتھ ہی ان ذمہ داریوں میں خاصہ اضافہ ہو جاتا ہے جو افراد قوم ہونے کی حیثیت سے ان سے وابستہ ہیں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ زندگی کے اس دور میں مرد اور عورت کے اشتراک عمل کی ہر لحظہ ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر نظام ازدواج کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں انسان فطری طور پر خود اس بات کے لیے مجبور ہے کہ وہ اولاد کو پیدا کرے لیکن کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ازدواجی رشتہ کے فرائض ختم ہو گئے۔ یہی وہ دور ہے جہاں سے اقوام و ملل کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور ایک قوم کی تعمیر اور تخریب کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

عورت کا جو صحیح مقام ہے جب تک کوئی درجہ متعین نہ کیا جائے اور آزادی کی فضا میں جب تک اسے سانس لینے کا موقع نہ ملے اس بات کی کوئی توقع نہیں ہے کہ ہماری خواتین صحیح راستہ اختیار کریں۔ زندگی کی وابستگی سے مرد اب تک اس حیات مشترکہ کو حیات منفردہ سمجھتے رہے ہیں حالانکہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، زندگی کا سفر اسی وقت آسانی سے طے ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں پہیے ایک ہی رفتار کے ساتھ ایک ہی سمت کی طرف گردش کریں غرض میں جب دونوں کا توازن ہی قائم نہ رہے تو نظام ازدواج کیوں متزلزل نہ ہوگا۔

ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن نے جہاں اپنے گہرے نقش چھوڑے ہیں وہاں یہاں کے ماحول کے اثرات کا بھی اس پر خاصہ اثر پڑا ہے اور اس کی موجودہ ہیئت رسوم کے الٹ پھیر اور انقلابات کا نتیجہ ہے لیکن افسوس ہے کہ تمدن و معاشرت کی بعض ایسی خوبیاں رخصت ہو چکی ہیں جن سے نسوانی زندگی کا خاص تعلق ہے دنیا کے اسلامی ممالک کی خواتین بھی اس آزادی سے محروم ہیں جن کی وہ مستحق ہیں لیکن ہندوستانی خواتین کا

اس معاملہ میں جو بُرا حال ہے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ازدواجی زندگی کا یہ ناخوش گوار دور ہماری آئندہ نسلوں پر نہایت ہی خطرناک اثر ڈال رہا ہے۔ ان کو ان تربیتوں کے وہ حیات بخش چشمے جن سے جذبات عالیہ اُبل پڑتے ہیں خشک رہتے ہیں۔ ازدواج کے پہلے محبت کی اس دنیا کے متعلق مرد اور عورت کے عجیب لطیف تصورات ہوتے ہیں ان کے نزدیک زندگی کا آغاز نہایت ... ہوتا ہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسرت و انبساط کی جگہ رنج و مایوسی اور محبت کی جگہ نفرت نظر آتی ہے۔

یہ حالت آخر یہ دور اس وقت انحطاط پذیر ہوتا ہے جب مرد غلطی اور نادانی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ اس معصوم مخلوق پر حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ عورت کے جذبات و احساسات کو کچلنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اور انتہائی بے دردی سے محبت کے سرچشمے نغمہ اور الفت کی ہر حالت نواز ادا کو ٹھکرانے لگتا ہے۔

مرد کی اس سرد مہری اور ستم پروری کے باوجود بھی ہندوستانی خاتون اطاعت و فرماں برداری کا جو منظر لفظاً ثبوت پیش کرتی ہے اس میں مظلومیت کی ایک داستان پوشیدہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محبت کا دور اتنا مختصر ہے کہ آن کی آن میں ختم ہو جاتا ہے۔ ان شادیوں کا تو ذکر ہی نہیں جن میں عورتوں کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ محبت کی شادیوں کے بعد بھی زندگیاں تلخ نظر آتی ہیں۔

محبت غیر فانی ہے، اس قسم کی الفت محبت کی ایک ادنیٰ ترین قسم ہے جو ذرا سی آزمائش کے بعد بے نقاب ہو جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کا آغاز جس بانکپن سے ہوتا ہے آخر وہ کیوں قائم نہیں رہ سکتا، یہ بہت ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس زندگی میں زیادہ دلکشی نظر نہ آئے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے اور اس تلخ زندگی کا ذمہ دار اصل میں کون ہے؟

ازدیاد محبت کی کوشش کی جا سکتی ہے اور اس دور کو آخر وقت تک قائم رکھا جا سکتا ہے لیکن مرد کی یہ خواہش کہ عورت غلام بن کر رہے۔ اسے اس بات کا اختیار نہ ہو کہ وہ اس سے آگے زبان بھی ہلا سکے بہت ہی جابرانہ ہے۔ اس طرز عمل کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت کی صحیح عظمت اور انسانی زندگی میں اس کے رتبہ سے ناواقف ہے اور انہیں باتوں کا عدم احساس اسے اس قسم کی تشدد آمیز حرکتوں کی طرف مائل کرتا ہے۔

عورت کا نازک دل ان تمام صدموں کو برداشت کر لیتا ہے اور وہ اپنے احساسات قلبی کو ظاہر ہونے نہیں دیتی لیکن محبت بھرا دل پھر بھی تاسف نہیں سمجھتا اور وہ مرد کی ان تلخیوں اور ستم پروریوں میں بھی لطف محسوس کرنے لگتا ہے۔ ہماری یہ المناک زندگی ہمارے لیے تو موجب ... ہے ہی لیکن اس کا بدترین اثر آئندہ نسلوں پر پڑ رہا ہے اور قومیت کی تعمیر خواب نظر آ رہی ہے۔

عورت پر مرد نے مختلف زمانوں میں جو جو ستم توڑے ہیں ان کی یاد بہت دلخراش ہے، اور آج تہذیب (جدید) کی ترقی کے دور میں ہندوستانی عورتیں اس افسانہ کہنہ کی یاد دلا رہی ہیں۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ عورتوں پر علم و عمل کے دروازے بند کر دیے گئے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انسانی زندگی میں عورت کا جو درجہ ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا؟ ترقی کے اس دور میں طبقہ نسواں بیدار ہوتا نظر آ رہا ہے لیکن بجائے اس کے کہ مرد ہماری اس بیداری سے خوش ہوتے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع دیا جاتا۔ ہر طرف سے اس حرکت عمل کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور آزادی نسواں کے سلسلہ میں مغربی خواتین کی زندگی کے تاریک پہلو اور ان کو پیش کیا جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی تاویل کا آخر کیا مقصد ہے؟ اگر اس کا منشا یہی ہے کہ خواتین کی اس جدوجہد کی غلط طور پر تعبیر کر کے منزل مقصود تک پہنچنے میں مشکلات پیدا کی جائیں تو مردوں کو اپنی اس افسوسناک ذہنیت پر خود ماتم کرنا چاہیے۔

مغربی ممالک کی تہذیب و معاشرت یا ان کے عادات و اطوار ہمارے لیے سرمایۂ افتخار نہیں بن سکتے اور ہماری یہ خواہش ہے کہ ان کی تقلید میں ہم اپنی قومی خصوصیات بھلا دیں اور تہذیب و معاشرت کی بنیادوں کو ڈھا دیں۔ روز روشن ہے کہ سوسائٹی میں ہمارا وہی درجہ ... رہے جس پر ایک زمانہ میں ہم فائز رہ چکی ہیں، ہماری عظمت کا احساس کیا جائے جس کی ہم مستحق ہیں، سماجی اور معاشرتی ... ہو اور ہماری بھی قومی زندگی کو سنوارنے میں وہ حصہ لیں تو ہم ان کا ہاتھ بٹائیں، وہ ہمارے رہنما بنیں لیکن رہزن نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ازدواجی زندگی میں توازن اسی وقت قائم رہ سکے گا جبکہ مرد اور عورت دونوں اپنے دائرہ عمل سے ایک قدم آگے نہ بڑھائیں۔ مغرب کی ازدواجی زندگی اپنے زہر آلود نتائج کی بدولت رسوا ہو چکی ہے۔ ہندوستان میں عورتوں کی المناک زندگی کا رونا تھا اور وہاں مردوں کی بے بسی اور مجبور زندگی کا دکھڑا ہے۔ مغرب نے خواتین کی عظمت کو پہچانا لیکن اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ عظمت شناسی میں وہ گم ہو جائے۔ آج اس غلطی کا احساس ہو گا لیکن زمانہ بتلائے گا کہ یہ غیر متوازن زندگی تہذیب و معاشرت کے زوال کا پیش خیمہ تھی۔

مغربی عورت نے شرم و حیا کے پردے اٹھا دیے ہیں، محبت کا جذبہ اس سے چھین لیا گیا ہے اور وہ گمراہی میں ٹھوکریں کھا رہی ہے، طلاقوں کی کثرت نے گھریلو زندگی کا سارا سکھ کھو دیا ہے اور دنیا آزاد ممالک کے ان آزادوں کی بوالعجبیوں پر انگشت بدنداں ہے۔

غالباً ہندوستان میں خواتین کی موجودہ جدوجہد کو اس وجہ سے مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ وہ اس درجہ ... ہو کر اپنی مغربی بہنوں کی پیروی کر رہی ہیں۔ یہ شبہ بظاہر ایک حد تک درست بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہندوستانی تہذیب و معاشرت نے یوروپین تہذیب و تمدن کے اثرات

قبول کئے ہیں اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس قسم کے اثرات کو قبول کرنے والے مرد تھے یا عورتیں!

اس سے زیادہ بڑی غلطی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اپنی قومی روایات کو خود اپنے ہاتھوں سے مٹانے کی کوشش کی جائے۔ اپنی تہذیب ومعاشرت کو خود برباد کرنے میں سارا زور صرف کیا جائے، غلطی ہماری نہیں پھر ایک آنے والے خطرے کے خیال سے ہمارے آیندہ مستقبل پر کیوں شک وشبہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔

قومی زندگی کا تحفظ جس طرح مردوں کا فرض ہے اسی طرح عورتوں کا بھی اس میں خاص حصہ ہے ہم اپنی انفرادیت کو کبھی مٹا نہیں سکتے، ہمارا کلچر اور ہماری تہذیب وتمدن قومی زندگی کا طرہ امتیاز ہے۔ اور اس سے کبھی انحراف نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان کی آزادی کا خواب ایک زمانہ سے نظر آرہا ہے لیکن آج اس کی تعبیر [illegible] ٹھیک اتر رہی ہے۔ آزادی کی خواہش کے ساتھ ہر قوم کو اپنی زندگی کی تعمیر کا پہلے احساس ہوتا ہے، اور یہ احساس جب عملی صورت اختیار کرجاتا ہے تو وہ پھر اپنے عزووقار کو حاصل کرلیتی ہے، ورنہ آزادی جو بہت گراں پڑتی ہے قایم نہیں رہ سکتی ہماری تہذیب ومعاشرت کا موجودہ ڈھانچہ اتنا فرسودہ ہوگیا ہے کہ اسمیں جان باقی نہیں رہی ہے اور عورت کی زندگی کا سوسائٹی میں اتنا پست درجہ ہے کہ اس کے بعد قوم کی ترقی کا کوئی امکان نہیں۔

ہر محب وطن ہندوستان جدید کی تعمیر کا آرزومند ہے، ہر مدبر اس ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ ہندوستان کس طرح اپنی گزشتہ عظمت وشوکت کو حاصل کرسکتا ہے، ہر مفکر اور ہر مصلح مغربی تہذیب کے اصلی خط وخال کو پیش کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

کیا یہ سعی بسیار لاحاصل تو نہیں ہے؟ کیا قومی زندگی کو مستحکم کرنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے؟ کیا مغربی تہذیب کی عیب جوئی ہماری زندگی کو سنوار سکتی ہے۔ قومی زندگی کی تعمیر صحیح معنوں میں اس وقت شروع ہوگی جب کہ ہمارے مردوں میں عورت کی عظمت کا پورا احساس پیدا ہوگا۔ اور ایک دفعہ پھر وہی پاکیزہ چشمے بہنے لگیں گے جو قوم کی مردہ رگوں میں خون دوڑا دیتے ہیں۔

وہ زمانہ کتنا مسرت خیز ہوگا جب ہندوستانی عورت اپنے درجہ پر پہونچ جائے گی، اور ان کی اور ہماری مشترکہ جدوجہد ہندوستان کی تاریخ کو بدل دے گی۔

خدا کرے کہ وہ دور آئے اور ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

بہار سالگرہ

از جناب محمد اشرف صاحب جعفری

فیض ازل ہے جوش زن رحمت کردگار ہے ... خواہش خلد بند کا نقش عمل بہار ہے

ابر بہار فیض بار تر زینت کوہسار ہے ... شورش آبشار ہے جوشش جوئبار ہے

فرش زمردیں بچھا سبزۂ نو دمیدہ سے ... سبز زمین پر غبار جامۂ جامہ دار ہے

مستی چشم مے پرست نرگس مست پر نثار ... سنبل تر کی پابوس گیسوئے مشکبار ہے

دیکھ کے میری بیخودی ہاتف غیب نے کہا ... سالگرہ ہے شاہ کی جس پہ جہاں نثار ہے

دی جو دعا ئے طول عمر ملہم غیب بول اٹھا ... رشتۂ عمر شاہ خود طول بے شمار ہے

اہل وعیال کو سدا شاہ کے کامگار رکھ ... عز ووقار کا الہٰ تو ہی نگاہ دار ہے

کون تھا تہنیت رسان صبح دکن نے دی نوید ... سچ ہے معین بیکساں قدرت کردگار ہے

شاہ دکن کا خیر خواہ اشرف بینوا تو رہ

جو ہے حریف وبد سگال دیکھ ذلیل وخوار ہے

آزمائش مفت اب بھی جو اندھا رہے تو اس کا قصور ہے

ایک سلائی سے اندھی آنکھ روشن و دھند دور کرنیوالے

جواہر نور العین کے روبرو ہیرے جواہرات کا سرمہ ورقی الہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا جسکے اعجاز نما فوائد کو دیکھکر ہر ایک متعجب ہوکر پوچھ رہا ہے کہ جواہر نور العین کا نسخہ فرشی ہے یا عرشی

جس سے ۵۰ برس تک کے بھولے اور دس برس تک کے

موتیا بند کے اندھے اور بارہ برس تک کے کوکرے اور ناخنہ اور سات سالہ آنکھ کا ناسور اور سبکوری کے مریضا جو بلدہ اور ہندوستان کے نامور حکیموں اور ڈاکٹروں وید کو اور طبی کالجوں کے ہسپتالوں میں علاج اور آپریشن سے اچھے نہوے تھے صحت یاب ہوگئے

بلحاظ مختلف امراض اس کے بارہ قسم اور بلحاظ طاقت دو درجے ہیں مریض کی کیفیت معلوم ہونے پر نمبر اور درجہ بتایا جاتا ہے قیمت درجہ اعلیٰ (عہ) درجہ خاص ۵ روپے

پتہ ڈاکٹر غنی بخش ریٹایرڈ میڈیکل افسر روبرو صدر دفتر ٹیلیفون حیدرآباد

۷۸۶

تہذیب

از جناب شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی ناظر ادبی دار الترجمہ

گو یہ دعوے سچ ہے اے تہذیب کی روشن جبیں!
وجد آتا ہے زمانے کو ترے اشغال پر
تیری ہی تعلیم سے کرتا ہے حاصل روزگار
سیکھتی ہے تیرے ہی مکتب میں بزم آب و گِل
تیری ہی رعنائیوں سے یہ سبق لیتے ہیں ہم
حرفتوں کی کار فرما، صنعتوں کی کردگار!
مانگتی ہے بھیک میں تجھ سے تبسم کائنات
شمع سے رہتا ہے بالا تیرے پروانوں کا رنگ
بے مشقت خلق ہوتی ہے طرب سے بہرہ یاب
ساتھ ساتھ آتی ہیں حوریں ناز فرماتی ہوئی
نشے کی کلیاں چٹکتی ہیں تری گفتار میں
کھیلتی ہے تیری صبح و شام بازاروں کے ساتھ
تندگامی سے تری اے مرکب برق آفریں
ولولوں کے واسطے ہوتا ہے ساز فتح باب
وجد میں آتی ہے اہل انجمن کی زندگی
عیش کا جویا شباب آمادہ ہو کر خواب پر
کنگنوں میں تیرے ہوتی ہے وہ رنگیں روشنی
پینگ تو دیتی ہے دل کو نرگس بیمار میں
کانپتی ہے مشعلوں کے جگمگانے کی ادا
لوح آجاتا ہے تجھ سے حسن کی رفتار میں
شب کے سناٹے میں جنت کو صدا دیتی ہے تو
نازنینوں کے تبسم میں پئے تکمیل کار

جگمگا اٹھتا ہے پرتو سے ترے صحن زمیں
ناچتی ہے خلق تیرے گھنگروں کی تال پر
بات کرنے کا فسوں، خاموش رہنے کا وقار
کس طرح سے مسکرا کر فتح کر لیتے ہیں دل!
انجمن میں یوں اٹھاتے ہیں نزاکت سے قدم!
شعر و موسیقی پر آتی ہے ترے دم سے بہار
تیری لو سے جگمگا اٹھتی ہے محراب حیات
شوخ تر ہوتا ہے مَی سے تیرے پیمانوں کا رنگ
دھن میں بجتا ہے جب تیری مشینوں کا رباب
جب تری صناعیاں اٹھتی ہیں اٹھلاتی ہوئی
سحر ہوتا ہے تری پازیب کی جھنکار میں
جشن ہوتا ہے ترے رشکوں کی جھنکاروں کے ساتھ
کانپ کر اپنی طنابیں کھینچ لیتی ہے زمیں
ناز سے اٹھکھیلیاں کرتا ہوا تیرا شباب
سرسراہٹ ہے وہ تیرے ریشمی ملبوس کی
کروٹیں لیتا ہے تیرے بستر سنجاب پر
مسکراتی ہے کلائی نوعروس دہر کی
کشتیاں کھیتی ہے تو موج لب و رخسار میں
یوں سکھاتی ہے حیا کو مسکرانے کی ادا!
لوچ بھی ایسا جو ہوتا ہے اپنی تلوار میں
چاندنی کو نور افشاں میں ملا دیتی ہے تو!
تو ملا دیتی ہے اک موہوم سی موج ستارا!

شورشِ ہستی میں کیا کیا زیر و بم رکھتی ہے تو
کس تکلف سے عناصر پہ قدم رکھتی ہے تو!!

(۲)

لیکن اے آرائش و انداز کی پروردگار! روح انسانی کو راس آتی نہیں تیری بہار
مسخ ہو جاتی ہے تجھ سے فطرتِ نوعِ بشر ضرب پڑتی ہے براہِ راست تیری روح پر
جامۂ اخلاص ہو جاتا ہے تن پر تار تار ہونٹ ہو جاتے ہیں مصنوعی تبسم کے شکار
برق ویکر و دیک سے بے نور کرتی ہے ہمیں ایکٹر بننے پہ تو مجبور کرتی ہے ہمیں!
تیرگی کی شمع پر جلتے ہیں پروانے ترے ذوقِ کاوش کو سلا دیتے ہیں افسانے ترے
وہ تری اکسیر ہے اکسیر کو کرتی ہے خاک ناز کر دیتا ہے تیرا زندہ قوموں کو ہلاک
علم کی افراط سے کرتی ہے جرأت کو خراب تو جوانمردی کو دیتی ہے جہالت کا خطاب!
اُس صلابت کو کہ جس پر زندگی کا ہے مدار لوریاں دے دے کے کرتی ہے نزاکت سے دوچار
تو امیروں سے دلاتی ہے فقیروں کو خراج چھین لیتی ہیں تری برنائیاں شاہوں کے تاج
ہار تیرے خنجرِ بُرّاں ہیں گردن کے لئے سہم ہیں تیرے "تو نگے" نیروئے جوشن کیلئے
جیب میں رکھتی ہے تو وہ تیز خواب آور دوا کہتے ہیں جس کو زبانِ شعر میں "حسن و ادا"
دیکھتے ہی آتش و آہن میں لگ جاتا ہے زنگ انکھڑیوں میں تو وہ رکھتی ہے شکر خوابی کا رنگ!
زخم کو آسودۂ مرہم بنا دیتی ہے تو اخگروں کو قطرۂ شبنم بنا دیتی ہے تو!
تندرستوں کو عطا کرتی ہے بیماروں کا لوچ لرزشِ صہبا میں گم کرتی ہے تلواروں کا لوچ
جس بدن کو تو پہناتی ہے حریر و پرنیاں اس بدن کی سوکھ جاتی ہیں بالآخر ہڈیاں
رابطہ ہے جنکو تیرے خلعتِ گلفام سے جلد چھل جاتی ہے ان سب کی زرہ کے نام سے!
تیرا مارا دو گھڑی کلفت میں رہ سکتا نہیں معرکے میں آنچ تلواروں کی سہہ سکتا نہیں
غازیوں کو مسکرا کر آئینہ دیتی ہے تو قیمتِ آئینہ میں تلوار لے لیتی ہے تو
زلف تیری توڑ دیتی ہے سپاہی کی کمند بخشتی ہے شیر کے سینے کو قلبِ گوسفند
اوّل اوّل محو کر دیتی ہے تصویروں میں تو پھر جکڑ لیتی ہے اہلِ فن کو زنجیروں میں تو
شیشۂ دل چور کر دیتا ہے تیرا جامِ جم ہات سے چھوٹے ہوئے جامِ بلوریں کی قسم!!
چھین لیتا ہے زمانے سے تری تانوں کا شور فکر کی رفعت، ارادوں کی جوانی، دل کا زور
گوشِ جاں کو نغمۂ شیریں سے بھر دیتی ہے تو پھر انہیں نغموں میں آخر دفن کر دیتی ہے تو!!!
کس قدر معشوقیت ہے تیری شانِ قہر میں غرق کرتی ہے تبسم کی گلابی لہر میں!!
باز آئے ہم ترے اس مرگ پرور حلم سے اے سیہ رو! جہل ہی اچھا ہے ایسے علم سے

رہ چکے جس وقت تک رہنا تھا قسمت میں غلام
اے سبک سر! دور سے لے ہم غریبوں کا سلام!!

عورت کی زندگی

از محترمہ رضیہ بانو صاحبہ

اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک اُچٹتا ہوا خیال ہے۔ میں تو یہ چاہتی تھی کہ شرح و بسط کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کروں لیکن ایک تو وقت کی کمی دوسرے خیالات کے انتشار کی وجہ سے فی الحال اختصار ہی پر اکتفا کیا گیا۔

پہلے میں بتاؤں گی کہ عورت تنہا کیا شے ہے اور مرد کے ساتھ کیا یعنے جب عورت مرد کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے تو اس میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب وہ مرد کے خیال سے بیگانہ رہتی ہے تو کیا ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے میں شرماؤں گی نہیں اگر مجھے اپنی سرگزشت بیان کرنی پڑے۔ جب میرے خیال کی دنیا میں مرد کا تصور صرف اتنا تھا کہ وہ دنیا کی سنگین اور اہم ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بنایا گیا ہے تو میں اُسے بچوں کے باپ یا زیادہ سے زیادہ فوجی سپاہی خیال کرتی تھی۔ اور اس کی قہر آلود نگاہوں سے کانپ جایا کرتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی اس کے حکم کی تعمیل کر لینے میں مجھے ایک غیر محسوس لذت ملتی تھی۔ اس لیے نہیں کہ اس کا حکم ازقوں کا حامل ہوتا تھا بلکہ شاید اس لیے کہ اس کی قہر آلود نگاہوں سے اپنے تئیں محفوظ ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ میں اپنے بھائیوں کو بھی ہونے والے باپ خیال کرتی تھی۔ باوجودیکہ وہ مجھ سے نرم و نازک لہجہ میں گفتگو کیا کرتے تھے میں اپنے دل سے ان کا خوف نہیں نکال سکتی تھی یہ تھی میری وہ زندگی جو یا تو بہار و خزاں سے یکسر محفوظ تھی یا دونوں کے درمیان عین برزخ خیال میں گھڑیاں جلد گزرتی گئیں ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ مرد میری نگاہوں میں کھٹکنے لگا اور میں اس سے شرمانے لگی۔ اس شرم کے اندر ایسی خواہش تھی جسے لغزش نظر کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ میں غور کرتی تھی کہ مرد محض قہر ہی نہیں ہے بلکہ آیۂ رحمت بھی ہے کیونکہ اسکی آنکھوں میں غضب آلود سرخی کی بجائے تبسم جھلک رہا تھا۔ غالبًا اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی لیکن میں نے کبھی اس تبدیلی کی علت غائی پر توجہ نہیں کی۔ صرف اسے دیکھتے رہی یہاں تک کہ میرا دیکھنا دیکھنے والوں سے دیکھا نہ گیا اور نظر بند کر لی گئی۔

میرا دل جذبات کے طوفان سے لبریز تھا۔ میری گردوپیش کی ہوائیں نغموں سے سرشار ہو رہی تھیں میں ہمیشہ مگن رہنا چاہتی تھی۔ رستم و افراسیاب کے قصے طلسم ہوشربا کی داستانیں میرا حسین مشغلہ بن رہی تھیں میں ہر اس شے میں ڈوب جاتی تھی جس میں کوئی ادا ہو کوئی بات نظر آئے غرض محبت کرتے رہنا میری دلی تمنا تھی۔

یہ زمانہ بھی گزر گیا۔ رسم و قوانین کی پابندیوں نے میری ذات کو ایک ناآشنا مرد کے حوالے کر دیا جس طرح تھما ہوا پانی ندا سا راستہ ملنے کے بعد پوری طاقت کے ساتھ روانی دکھاتا ہے بالکل اسی طرح میری محبت کا پرجوش سیلاب میرے خدائے مجازی کی طرف لپکا اور میں ہمہ تن محبت ہو کر اپنے خاوند کو چاہنے لگی

میرا خیال ہے کہ مرد عورت کی دعوت محبت کو رد نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنا ہی سنگدل کیوں نہ ہو لیکن قبول دعوت کے بعد جلد ترک الفت کے سامان بھی پیدا کر لیتا ہے غالبًا اس کے بے زارگی میں مردوں کی وہ روایتی حکومت شامل ہوتی ہے جسے وہ فطرتًا اپنے ساتھ لایا ہے۔ وہ محبت پر حکومت کو ترجیح دیتا ہے حالانکہ ایک محبت بجائے خود ہزار حکومت کے برابر ہے۔ یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ اگر مرد کے دل میں عورت کی کوئی وقعت نہ ہوتی تو ادب (لٹریچر) جو مردوں کے دماغ کی علمی پیداوار ہے تمام تر عورت سے وابستہ نہ ہوتا کیونکہ دنیا بھر کی لطیف چیزوں میں گلاب کا حسن۔ طائروں کے نغمے۔ پرندوں کے رقص۔ پانی کی روانیاں۔ بادل کی رفتار۔ گھٹاؤں کا تسلط۔ صبح کی زندگی۔ شام کی مسرتیں اور اسی قسم کے ہزاروں موضوع قدرت کی طرف سے ادب کے لیے موجود ہیں پھر بھی عورت ہی جان ادب کیوں قرار دی گئی جنس نازک محبوبہ دلنواز شریک زندگی ایسے کئی نام ہیں جو صرف عورت کے لیے وضع کئے گئے ہیں سو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ دکھاوے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت بےکس و غریب عورت مرد کی نظروں میں ہمیشہ ذلیل رہی۔ مرد نے نہ کبھی اس کی پرستاری کی ہے نہ اسے اپنا بنانے کی کوشش۔ بلکہ حسن کی لطافت کا راز مرد کی کثافت خیالی میں مضمر ہے مرد کی غماز نگاہوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عورت کے لیے اس کی آنکھوں میں کتنے ہمرنگ

چیزیں موجود ہیں جن سے ہماری معصوم زندگی برباد کیجاتی ہے۔ اگر عورت کے دل میں حیا کے خزانے کی فراوانی نہ ہوتی تو کائینات کا ذرہ ذرہ عیش معدوم نظر آتا۔

اس سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ اپنے طرز بیان سے مرد کی ذات کو بدنام کروں بلکہ میں نیک نیتی کے ساتھ اپنے ان جذبات کی ترجمانی کر رہی ہوں جو میرے احساسات پر مشتمل ہیں۔

اخلاص و محبت کا جواب اخلاص و محبت سے دیا جائے تو پھر کوئی شے زن و شو میں اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر اخلاص ٹھکرا دیا جائے تو دل ٹوٹ جاتا ہے۔ عورت ہر چیز گوارا کر سکتی ہے ہر ظلم سہہ سکتی ہے مگر اپنی توہین اور اپنی محبت کی توہین کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ آپ سے طالب زر ہے نہ طالب نعمت، وہ صرف اُن نگاہوں کو ڈھونڈتی ہے جن میں اسکی چاہت کا اعتراف ہو۔ افسوس ہے کہ اتنی ارزانی کے بعد بھی لوگ اس کی گرانی کا احساس کرتے ہیں۔ یہ میں مانتی ہوں کہ مسلسل ارتباط سے دلوں میں خلش پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس خلش کا نتیجہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ باہمی تعلقات کا دوامًا شیرازہ بکھر جائے۔ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے جزء لاینفک ہیں۔ خارجی اثرات سے ان کا متاثر ہونا انسانیت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی بیوی نے اگر آپکے خلاف کیا۔ آپ کی مرضی کو پیش نظر نہیں رکھا تو آپ اس سے انتقام کیوں لیتے ہیں معاف کیوں نہیں کر دیتے۔ پہلے تو یہ کہ آپ کی درخواست حکم کیوں ہے اور عورت کا حکم التجا کیوں؟ وہ آپ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ہم آج آپ کے ہاتھ سے لگا ہوا پان کھائیں گے، برخلاف اس کے آپ بلا تکلف، پان لگاؤ، حقہ لاؤ، کے احکام صادر فرماتے ہیں جن کی تعمیل اس غریب کا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کے ناشتہ کا خیال اسے۔ آپ کے لباس کی فکر اسے۔ آپ کے مزاج کی نازبرداری وہ کرے۔ گھر کی صفائی بچوں کی نگرانی۔ خورد و نوش کا انتظام غرض یہ ایک وقت وہ بیوی سے لیکر ماما، کا ماٹن اور مہترانی بھی ہے آپکی ذمہ داریاں اس کے مقابلہ میں تولی جائیں تو اندازہ ہو سکے گا کہ گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر جانے اور وہاں دماغی یا جسمانی کاروبار کرنے کے باوجود آپ کا پلڑا اٹھا ہوا ہی نظر آئے گا۔

میں نے بیسیوں مرتبہ اس پر غور کیا ہے کہ اس کشمکش حیات میں زن و شوہر کی وابستگی اس قدر تلخ ناگوار کیوں ہے لیکن میرا دماغ یہ معمہ حل نہیں کر سکا گو میرے نقطہ نظر سے اس کا حل ممکن ہے لیکن آپ کا زاویۂ نگاہ اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔ میں ان عورتوں میں سے ہوں جن کو قدرت کی طرف سے ضبط و تحمل اور مکمل رواداری تفویض ہوئی ہے۔ میں نے التزامًا اس کی کوشش کی ہے کہ ہر آئی بلا کو خود اپنے سر پر اٹھا لوں۔ اور اپنی عزت کے لاج رکھنے والے آقا کو کسی قسم کی اذیت نہ ہونے دوں۔ گھر کی جگہ کیا کچھ نہیں ہوتا۔ اچھے دن بھی آتے ہیں اور برے بھی۔ دکھ ہے، بیماری ہے اچانک پریشانیاں ہیں۔ سب ہی کچھ ہے مگر میں کہہ سکتی ہوں کہ مجھے اپنی ضمیر کی لعنت سے ہمیشہ نجات حاصل رہی ہے میں نے اپنے خاوند کا حقیقی معنوں میں ساتھ دیا ہے اس لیے نہیں کہ یہ میرا فرض ہے بلکہ اس لیے کہ رسم و آئین وفا کا مقتضا یہی ہے۔ اس علم کے باوجود کہ میرے خیالات "آن کی" نگاہوں سے گزر رہے ہیں گے یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ "وہ" ہمیشہ میری نیازمندیوں کی اہانت کرتے رہے۔ مجھے ستایا گئے۔ اور رلاتے رہنے میں کبھی کمی نہ کی۔ ایک ذرا سی بات کو لیجئے چند دن پیشتر کا واقعہ ہے کہ ان کی لکھنے کی میز صاف نہیں تھی کام کاج میں صاف کرنا بھول گئی تھی بچہ کو بخار چڑھ آیا تھا۔ دھوبی کو کپڑے بھی ڈالنے تھے بالکل ذہن سے بات جاتی رہی۔ شام کو جب وہ دفتر سے لوٹے تو کچھ سلیں ان کے ہاتھ میں تھیں سیدھے مردان خانہ میں گئے اور میز تک پہونچتے ہی کڑک کر مجھے پکارا، ادھر آؤ! آواز میں سختی تھی۔ ڈرتی کانپتی سامنے گئی تو سہی مگر ان سے نگاہیں نہ ملا سکی۔ خفگی کا باعث وہی میز تھی۔ ندامت بھرے لہجہ میں میں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور فورًا میز صاف کر دی۔ وہ برابر گرجتے رہے اور آئندہ کیلئے سخت تنبیہ کا اعلان بھی کر دیا۔ میں اور کیا کر سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ دل ہی دل میں عہد احتیاط کر لیتی۔ خدا کرے کہ ہم صنف کی تالیف قلوب میں کامیاب ہو سکیں اور اپنی بدنصیبی کی ازلی تاریخ کا ورق الٹ دیں ہماری فتح ہو مگر نیازمندانہ ہماری دعا قبول ہو مگر صاحبزادہ وہ بھی وہی رہیں اور ہم بھی وہی، ہماری تسلیم کی خو نہ جائے لیکن انکی ضد حیوٹ جائے۔ آمین

دعا تاریخ

ازجناب ابو المکارم محمد عبد البصیر عتیقی صاحب آزاد سیوہاروی مولوی فاضل

یوم میلاد شہ عثمان علی خاں کا ہے جشن
ہے دکن میں اس لیے عیش و مسرت جا بجا
اس دعا سے سال ہجری بھی عیاں آزاد ہے
ہو فزوں اقبال و عمر و تمکنت و عزم و علا

سنہ ۱۳۵۰ھ

دعا

بتقریب سعید سالگرہ مبارک

ازجناب قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی

شاہ عثمان کی اے حکیم و رحیم
سنہ ۱۳۵۰ھ
کر فزوں عمر و صحت و حشمت
سنہ ۱۳۵۰ھ

بہر صاحب اثر نبی کریم
سنہ ۱۳۵۰ھ
ملک و ملوک و عشرت و تکریم
سنہ ۱۳۵۰ھ

حیدرآباد دکن کا شاندار تھیٹر

و

بہترین سینما گھر

یعنی

اکسلیر ٹاکیز

جہاں اعلیٰ درجہ کے بولتے فلم دکھلائے جاتے ہیں

امریکہ وانگلینڈ کے مشہور و معروف فلم کمپنیاں مثلاً یونائیٹیڈ آرٹسٹس، میٹرو گولڈن میر. فاکس، یونیورسل، فرسٹ نیشنل اور پاتھے کمپنی کے بہترین سے بہترین فلم بلکہ شاہکار دکھلائے جاتے ہیں، تھیٹر ہال کی خصوصیات وخوبیاں جو لنڈن کے نئے طرز اور نئی وضع پر تیار کیا گیا ہے، اگر آپ نے نہ دیکھا ہو تو آج ہی ضرور دیکھئے، اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور کمپنیوں کے ہندوستانی ڈرامے، سبق آموز، عبرت انگیز، بصرف زر کثیر منگوا کر دکھلائے جاتے ہیں

بولنے والے فلموں کے صنعت کی یورپ وامریکہ سے لیکر ہندوستان تک دھوم مچی ہوی تھی، گر ہمارے حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی پبلک اس سے بالکل بے بہرہ تھی۔ اس جدید صنعت سے ہمارے ملک کو سب سے پہلی مرتبہ روشناس کرانے کا فخر صرف اکسلسیر ٹاکیز کو حاصل ہے

ٹیلیفون نمبر (۲۴)

تار کا پتہ سنگھوی

جی رگھوناتھ مل بنکر حیدرآباد

حساب چالو — بلافیس کھولا جاتا ہے اور دونوں سکوں پر سالانہ تین فیصدی سود دیا جاتا ہے، اور نصف سال کے حسابات میں جمع کیا جاتا ہے درخواست کے ذریعہ قواعد حاصل کئے جاتے ہیں۔

حساب سیونگ بنک — کم از کم آٹھ آنہ سے کھولا جاتا ہے، ایک شخص دونوں سکوں میں حساب کھول سکتا ہے، اور ۳½ فیصدی سالانہ سود دیا جاتا ہے درخواست کرنے پر قواعد مل سکتے ہیں۔

فکسڈ ڈپازٹس شرح سود درخواست کرنے پر معلوم ہو سکتی ہے،

لونس اوورڈرافس، قرضے دئے جاتے ہیں۔ اور چالو حساب میں منظورہ ضمانتوں پر واجبی شرح سود پر اوورڈرافس دئیے جاتے ہیں۔

فارن اینڈ ان لینڈ بلز، کمیشن واجبی، بمبئی، کلکتہ، اور مدراس کے لئے ڈرافٹس جاری کئے جاتے ہیں۔

رقومات — دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافس رقم بھیجی جاتی ہے اور نابالغ رقومات قانونی احکام کے تحت روانہ کئے جاتے ہیں۔

ضمانتیں (پرامیسری نوٹس) تمام قسم کے ضمانت ناموں کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت رکھا جاتا ہے، اور ان پر خزاین متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے،

وظیفہ اور منصب واجبی اجرت پر خزانہ عامرہ سے حاصل کر کے ایصال وجمع کئے جاتے ہیں۔

سفر، دنیا کے تمام حصوں کے لئے بحری سفر کا انتظام کیا جاتا ہے مزید استفسارات کا فوراً جواب دیا جائے گا۔

ہر قسم کے بنک اور تبادلہ کے کاروبار کئے جاتے ہیں۔

کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے،

مٹھائیاں کھانے والوں کا سامان

ہمارے پاس ہمہ اقسام کی مٹھائیاں بالکل اصلی گھی سے تیار کیجاتی ہیں۔ جو بے حد خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمارا سامان ہر قسم کا چیٹ پٹا اور ذائقہ دار نمکین ہمارے یہاں جو تیار کیا جاتا ہے، وہ کسی دوسری جگہ آپ کو دستیاب نہیں ہو سکتا، دہلی کے بالکل نئے طرز کے خوش ذائقہ مٹھائیاں وموسمی تحفے وغیرہ تیار کرنے میں ہم کو کمال حاصل ہے، فرمائشات کی بھی حسب خواہش تعمیل کی جاتی ہے، نئے نئے نمونہ کے اور مشہور و معروف مٹھائیاں وغیرہ اگر آپ نوش فرمانا چاہتے ہیں۔ تو ایک بار ہماری دوکان پر ضرور تشریف لائیے۔

دہلی ہندو ہوٹل مٹھائی شاپ کمان سحر باٹل حیدرآباد دکن

کراچی ریسٹورنٹ

افضل گنج بس روڈ میں

چائے، کیک، پیسٹری وغیرہ کے علاوہ ہر قسم کا فیشنیل سامان، تولیہ، دستیاں، پائتابہ، بٹن وغیرہ کا کافی اسٹاک موجود ہے

نرخ بالکل واجبی

ایک
حل طلب سوال

از نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد کوتوالی و عدالت و امور عامہ

نواب اکبر یار جنگ بہادر کا حسب ذیل حل طلب سوال گزشتہ سال سالگرہ نمبر میں شایع کیا گیا تھا تاکہ ہر وہ شخص جو اپنی عملی زندگی میں آرام و چین حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے غور و فکر کرے۔ اس دفعہ اس عنوان پر بھی دو چار مضمون وصول ہوئے ہیں لیکن اشاعت کے قابل ایک ہی مضمون نکلا جسے ہم حسب وعدہ دوسرے صفحہ پر درج کرتے ہیں (ایڈیٹر)

اگر مذہبی اعتقاد و اثر سے علیحدہ ہو کر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور بدی محض اعتباری چیز ہے اس کے لیے کوئی ایسا عالمگیر معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا ہے جو ہر ایک قوم ہر ایک ملک اور ہر زمانہ کے لیے یکساں طور پر کارآمد ہو۔ ممکن ہے کہ ایک ہی فعل جو ایک قوم یا ملک میں یا کسی زمانہ میں نیکی سمجھا جاتا رہا ہو۔ دوسرے ملک یا قوم یا زمانہ مابعد میں وہ بدی میں شمار کیا جائے۔ لیکن سچ نہ صرف بہ لحاظ اپنے نام و الفاظ کے بلکہ بہ لحاظ مفہوم و معنے کے بھی ہر ایک زمانہ میں ہر ملک و ہر قوم میں ایک سب سے اعلیٰ و افضل نیکی اور جھوٹ ایک بدترین بدی شمار کیا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ کہنے کو اب بھی دروغ کو بے فروغ ہی کہا جاتا ہے لیکن دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا ہے۔ جہاں عملاً دروغ کو ذریعہ فروغ نہ سمجھا جاتا ہو۔ ہر ایک پیشہ اور ہر ایک تجارت بغیر دروغ کے فروغ سے محروم رہتی ہے۔ ہر ایک حرکت اور ہر ایک فعل خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی، معاشرتی ہو یا اخلاقی دروغ کی آرایش سے خالی نظر نہیں آتا ہے اور اس آرایش اور نمایش کی چکا چوند نے دنیا کو نہ صرف جھوٹ سے مانوس ہی کردیا ہے بلکہ ہنرمندی، ہوشیاری موقعہ شناسی اور عاقبت اندیشی اور وسعت اخلاق کے دلفریب تام دیگر جھوٹ کی ضرورت اور عظمت کا عملی اعتراف بھی کرادیا ہے اس طرح کئے ہوئے جھوٹ کو دنیا میں اس طرح فروغ ہو رہا ہے جس طرح مصنوعی جواہرات کی مانگ بازار میں بڑھ رہی ہے اور اس سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دنیا بجائے حق و صداقت کی طلب کے آرایش و نمایش کی طرف زیادہ مائل ہے۔

کیا اس آرایش و نمایش کے جلوے سے فی الواقع دنیا کو اطمینان قلب حاصل ہو گیا یا حاصل ہو جائے گا؟

یہ ایک سوال ہے جو ہر ایسے شخص کے غور کے قابل ہے جو دنیا میں اطمینان کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔

کیا دنیا مطمئن ہے

از جناب محمد عبد القیوم خاں صاحب باقی ام اے ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ

کرۂ ارض پر دور جدید کی سب سے زیادہ باوقعت اور موثر سرزمین یوروپ کی مانی جاتی ہے۔ اس ملک کی علمی اور فنی ترقیوں نے تقریباً سارے عالم کی ذہنیت کو مرعوب سا کردیا ہے۔

سارے علوم و فنون کو انسان کی دو زندگیوں سے خاص تعلق ہے، بعض علم ایسے ہیں جو انسان کی خاص دماغی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض دنیوی اور معاشرتی زندگی سے۔ شاعری ادب، فلسفہ، نفسیات، ان کا دامن درحقیقت انسان کے قلب و دماغ سے وابستہ ہے اس کے برخلاف معاشیات، سیاسیات، صنعت و حرفت وغیرہ ان کے حدود انسان کی معاشرتی زندگی پر محتوی ہیں۔

ایک مفکر انسان جب اپنی دماغی گہرائیوں میں غرق ہوکر کائنات کے چند عمیق اندیشے پوشیدہ اسرار پر غور کرنے لگتا ہے جن کا تشفی بخش جواب دنیا کے کسی علم و فن سے حاصل نہیں ہوسکتا تو علم و فن، دولت و ثروت، تہذیب و تمدن کی انتہائی ترقیوں کے باوجود وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کائنات کا ایک نہایت ہی حقیر جزو ہے۔

یوروپ نے حقائق کے انکشاف میں سائنس کے ذریعہ سے بے انتہا ترقی کی۔ ادھر فلسفہ حکمت کی مدد سے، انسانی عقل و فراست کو ایک نئی جلا دی۔ دوسری طرف فنونِ لطیفہ کی روح پرور ترقیوں سے انسانی جذبات اور احساسات کو لطیف اور مجلد ار بنا یا لیکن اسی حق کی تلاش عقل کی بلند پروازیوں، اور احساسات کی بیداری میں اس نے جس قدر تحقیقات کیں اسی قدر نت نئے اسرار کے ایک طوفان میں مبتلا ہوگیا اور یہ طوفان ایسا ہے جس کا دفع کرنا خود کسی کی دسترس سے باہر ہے۔

اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ۔ جب تک جاہل تھے، اپنی مختصر عقلی دنیا میں مطمئن تھے۔ جب عالم بنے تو خود اپنی ہی بیداری میں گم ہوگئے۔ ع

اے روشنیِ طبع تو برمن بلا شدی۔

سائنس نے کہا، اے دنیا حقایق و معارف کی تلاش کر۔ یوروپ نے اس آواز پر کان لگائے اور وہ جد و جہد کی کہ تقریباً فطرت کی جملہ ایسی اہم قوتوں کو مسخر کرلیا جو اس کی زندگی کو کامیاب بنانے میں نمایاں حصہ لیتے تھے چنانچہ مغرب کے ایک موجودہ سائنس داں نے اس پر فخر کیا ہے کہ مادے کی حد تک انسان نے اپنی ساری دماغی قوتیں صرف کردی ہیں، اس نے وجود کائنات کو تین اہم حصص پر تقسیم کیا ہے۔ مادہ، حیات اور افادہ۔ وہ کہتا ہے کہ کم از کم ایک سو سال کے بعد انسان مادے پر پورا حاوی آجائے گا۔ اس کے بعد وہ حیات کی طرف رخ کرلے گا۔ اور حیات کے حقایق و معارف کی تلاش میں اس طرح معروف اور بالآخر کامیاب ہوگا جس طرح اس نے مادے پر ذہنی اور عملی فتحمندی حاصل کی ہے اس نے کائنات کی آخری تنزل افادیت کو قرار دیا ہے یعنے ہر شئے کی ماہیت اور اس کی حیات کی دریافت کے بعد اس کے منشا فایدے اور قدر قیمت کی تحقیق کرلی۔ اس افادیت کے متعلق اس کا خیال ہے کہ انسان اس کو بعد الموت حاصل کرلے گا، یعنے انسان کی وہ زندگی جو دنیوی موت کے بعد حاصل ہوگی افادے کے انکشاف میں صرف ہوگی۔

ان خوش آیند توقعات سے میں کم از کم یہ دعا کرتا ہوں کہ خدا ان ہی کو پورا کردے، ورنہ میرے نزدیک ان طریقوں سے جو انسان حقایق و معارف کی تلاش کے لیے اختیار کررہا ہے۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ نسل انسانی اس کرہ ارض پر اپنی ساری زندگی میں بھی صرف اس شے پر حاوی آجائے جس کو اہل سائنس مادہ کہتے ہیں سائنس کا دایرہ تحقیق جس قدر وسعت کا پتہ دیتا ہے اس پر نظر رکھتے ہوئے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان تمام سیارگان، آفتاب، ماہتاب، دمدار ستارے وغیرہ جیسے کروڑ دو کروڑ عظیم الشان پُر اسرار اجزائے آفرینش پر دست تحقیق بلند کرسکے گا، اگر نہیں تو پھر تلاش حقیقت کا وہ جذبہ جو انکشافات سائنس کی بدولت پیدا ہوتا ہے اپنی ایک رتی برابر تشنگی کو بھی نہیں بجھا سکتا۔

یہ حال اس علم کا ہے جو انسانی عقلی ترقیوں کا سب سے زیادہ شاندار مظہر ہے۔

اب فلسفہ، نفسیات، وغیرہ جیسے علوم پر نظر کیجیے تو یہ محسوس ہوگا کہ یوں تو وہ سائنس متعلق علم کے مقابلہ میں دوم درجہ پر ہیں لیکن نئے نئے آسانیوں کے پیدا کرنے نئے نئے جذبات اور نکات تحقیقات کو سمجھانے میں درجہ اول رکھتے ہیں انسان کی عقل آن کی آن میں زمین و آسمان کی سیر کراتی ہے جس قدر سرعت کے ساتھ وہ نئی جولانگاہیں پیدا کرتی ہیں اسی قدر، اپنے پیے ایک اور سنگ گراں کا اضافہ کرتی ہے۔ اور یہی فلسفہ ہے جو انسانی عقل و فراست کا ہاتھ پکڑے ہوے ایک متین اور سنجیدہ انسان کی طرح زمین و آسمان پر چکر لگاتا ہے۔

رہے فنون لطیفہ، ان کا کیا پوچھنا، شاعری ہی کو لے لیجیے، اس کی نہ کوئی حد ہے نہ یہ گویا نہ یہ انسانی عقل، بلکہ روح احساس، شعور، جذبہ جیسی سریع السیر امواج امواج کو اپنے عمیق پانیوں میں پوشیدہ رکھتی اور ان کی آسمان شگاف لہروں کے ساتھ دوڑتی پھرتی ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ دنیا کے وہ علوم جدیدہ جن کا انسانی عقل و حیات کے ساتھ نہایت اہم تعلق ہے، خود اپنی ہی وسعت اور بیداری کا شکار ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ علم و فن سے تعلق رکھنے والی دنیا اپنے لائحہ عمل، اور دماغی کاوشوں کو ایک غیر متعین مدت تک وسیع کرتی رہتی ہے۔ یہ میری زندگی اس دنیا کے لیے بے اطمینانی کا درجہ رکھتی ہے جو ایک طرف حق کا عرفان رکھتی دوسری طرف جملہ حقائق کے انکشاف کا ایک غیر منقاد جذبہ اپنے اندر پوشیدہ رکھتی ہے۔

ہر جذبہ کے لیے ایک خاص میدان کی ضرورت ہوتی ہے جہاں وہ اپنی بری خصوصیات کے ساتھ کارفرما ہو کر اپنے خاص نتائج پیدا کر سکے۔ آج تحقیق علمی کے اس عظیم الشان سیلاب میں پھنسنے کے بعد ہم محسوس کر رہے ہیں کہ آیا ہمارا کوئی خاص راستہ، کوئی خاص منزل ہے بھی یا نہیں؟ دنیا میں ہزارہا برس پیشتر سے اس جذبۂ تحقیق کے دوش بدوش ایک اور آواز آ رہی ہے جو اس آواز کا حقیقی منشاء یہ تھا کہ وہ اس سرزمین پر بسنے والوں کو اس حقیقی میدان اور خاص منزل سے آگاہ کرے جس کی طرف جانا سارے انسانی جد و جہد کو حقیقی طور پر کامیاب بناتا تھا۔ اس آواز کی پیش نظر ایسی مصلحتیں تھیں جس کو انسان سینکڑوں برس کا خون جگر ضائع کرنے کے بعد سمجھ سکتا تھا۔ اس کا مقصد حیات انسانی کو صحیح راستہ پر لگانا اور اس کو ایسی منزل تک پہونچانا تھا جو اس کی ساری ذہنی اور قلبی ضروریات کی کفیل ہو سکے۔

دنیا میں انسان کی ایک معاشرتی اور اجتماعی زندگی بھی ہے۔ اس کو مکمل بنانے کے لیے یوروپ نے سیاسیات، معاشیات، صنعت و حرفت وغیرہ جیسے علوم و فنون کو ترقی دی اور اصول و عمل کی حد تک ان میں عظیم الشان ہنگامے دکھلائیں لیکن غور سے دیکھیے تو محسوس ہوگا کہ ان علوم نے انسانی زندگی کو دشوار سے دشوار تر بنا دیا۔ وہ اپنی ذہنی دنیا میں ایک طوفان کا شکار تھا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس کی ایسی زندگی جو اس کے کھانے پینے، بیٹھنے اٹھنے، ربط و تعلق رکھنے اتحاد و اتفاق پیدا کرنے، امن و مصالحت کو فروغ دینے پر مبنی تھے خود معرض خطر میں آگئی۔ آج کل کائنات اسلحہ جنگ، آلات حرب حکومتی قوت و جبروت پارسیانی اور سیاسی عیاریوں، دولت و ثروت کے نفسانی خواہشات کے پاؤں تلے دبی ہوئی ہے اس کا کوئی گوشہ ان خطرات کی مہلک ترین تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں ہے لہذا ایک عاقبت اندیش مفکر کو کہنا پڑتا ہے کہ ایسی ترقی بیکار ہے جو خود ترقی کرنے والوں کے لیے نہ صرف غیر فایدہ بخش بلکہ دست اجل کی طرح پیام مرگ ثابت ہو۔ ذہنی انتشار سے زیادہ عملی پریشانی کو دیکھنا ہو تو آجکل یوروپ کی کانفرنسوں، بین الاقوامی مجلسوں سک اور زر کے مباحثوں، چین و جاپان کے کشیدگیوں، اٹلی و روس کی پوشیدہ ترقیوں، اور امریکہ کے مادی اور متکبرانہ مظاہروں، نیز عاقبت اندیش سیاسین اور نجومیوں کی پیشین گوئیوں پر نظر کیجیے جو رات دن اخباروں کے ذریعہ چار دانگ عالم میں نشر و اشاعت حاصل کر رہے ہیں۔

قدرت کی قوتیں پوشیدہ بھی ہیں اور ظاہر بھی، انسان کے لیے ضروری بھی ہیں اور غیر ضروری بھی مفید بھی ہیں اور غیر مفید بھی ان پوشیدہ قوتوں میں ایک قوت خود انسان کی چند فطری کمزوریاں ہیں جو اٹل اور ناقابل علاج ہیں۔ مثلاً انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ایک حالت پر نہیں رہتا اور بہت جلد برائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ میں غور کرتا ہوں تو انسان کو فطرت کی ان پوشیدہ قوتوں کے لیے انتہا زیر اثر پاتا ہوں عصر حاضر کی عقلی اور مادی بیداریوں نے نہایت خطرناک کام یہ کیا کہ اس کو فطرت کی ان اٹل قوتوں سے غافل بنا دیا جن کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا، اس کے ساتھ وہ سرکش بھی ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ترقیاں بالآخر اتنی مفید نہ ثابت ہوئیں جتنی ان کے لیے کوشش کی گئی تھی اس کی بجائے خود ان ترقیوں نے اس کو اپنی بربادی کے راستے ایک ایسی فریب دینے والی شکل میں بتائے جو بظاہر خوش منظر لیکن باطن میں انتہا درجہ مہلک اور کریہہ تھے۔

معاشرت کا سب سے پہلا جز اخلاق ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یوروپ نے دولت کو یہ درجہ عطا کیا جس کا انجام یہ ہے کہ آج یہاں عفت و عصمت، شرم و حیا، ہمدردی اور تواضع محبت و خلوص، امن و اطمینان کا کوئی صحیح تخیل ہی موجود نہیں ہے۔ جب تصور صحیح نہ ہو تو علاج ناممکن، اور مرض کا ازالہ محال ہے۔

عقلی علوم حاصل کرنے کے بعد ہر انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس عالم کی پیدائش، کا منشاء کیا ہے؟ میں نے آج تک اس کا ایسا جواب نہیں دیکھا جو ہمیشہ کے لیے مطمئن کر دے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا تخیل کسی آخری اور ایسی اٹل منزل سے کوسوں دور ہے جہاں ہماری ساری قوتیں اپنا سر رکھدیتی ہوں۔ تاویلیں ہیں، فلسفیانہ مباحثیں ہیں، لیکن وہ بات نہیں جس پر ایمان آجائے وہ گر نہیں جو انسان کو اپنا مطیع بنالے۔

میں نے ستاروں کی پیدائش اور مسئلہ ارتقاء کی بحث پڑھی۔ محققین نے یہ تک بتایا ہے کہ فضائے عالم کی ان بے شمار سیاروں میں سے آخری اور صرف ایک ستارہ کن قواعد کن حالات اور کن اثرات کے تحت پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ستارے کی آخری توانائی خود اس کے اندر سے پیدا ہوتی ہے، ایک برق پارے کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا توانائی کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آخر ترین برق پارہ آخر ترین توانائی کیا شئے ہے؟ ہم عقلی طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ علت و معلول کا ایک غیر متناہی سلسلہ کسی نہ کسی غیر معلول پر ختم ہو جائیگا لیکن سائنٹیفک جنون میں اس علت غیر معلول کو تسلیم کرنا ہمارے نزدیک کم نظری کی دلیل ہے۔ اسی قبیل کی کئی علمی غلط فہمیاں ہیں جو انسان کو حربی خوبیوں اور فوائد سے بھی محروم کر رہی ہیں جو لمحوں اس کی زندگی کے لیے ضروری تھیں۔

عقلی علوم سے ہٹ کر انسان کی اجتماعی زندگی کی طرف آئیے تو یہاں جیسا کہ اس سے قبل مذکور ہوا مزید دشواریاں موجود ہیں۔ دنیا کی ساری اقوام یہ سوال اٹھا سکتی ہیں کہ انسانی زندگی کا

کیا مقصد ہے؟ ظاہر ہے کہ ہزاروں طرف سے ہزاروں آوازیں آئیں گی لیکن بہ حیثیت ایک عاقبت بین اور خیر اندیش کے میں صرف اس آواز کا متلاشی رہوں گا جو مجھے صحیح ترین راستہ کی طرف رہنمائی کرے۔ اتنی عظیم بالشان ترقیوں کے باوجود آج ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ عصر جدید کے خضر راہ یعنے یوروپ کا خیال غلط تھا۔ اس نے زندگی کے صحیح مقصد کو نہیں سمجھا۔ اگر سمجھا تو یوروپی زندگی کے ایک غیر مفید مقصد کو سمجھا سارے عالم کی زندگی اس کی شمع عقل کے آگے تاریکی ہی میں رہی۔

جس طرح انسان انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی کے مختلف مدارج کو پیش نظر رکھتا ہے، اسی طرح اس کے لیے ایک ایسی زندگی کا تصور بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جو سارے عالم کی ہو۔ لیکن واقعہ اس کے برخلاف ہوا۔ انجمن بین الاقوام کے قیام کے پیشتر شاید ہی یوروپ میں ساری دنیا کی اجتماعی زندگی کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہو۔ ایک فرد سے لیکر ملک کی خاص خاص قومیں ان کی حد آخر میں مشرق ومغرب کا فرق (حالانکہ کوئی جغرافی فرق موجود نہیں) زمانہ حاضر کے سر سنجیدہ شخص نے تسلیم کر لیا ہے اس سے ایک عالمگیر زندگی کا اندازہ زیادہ صحت کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔ اب جو یہ نام نہاد انجمن بین الاقوام قایم ہے وہ صرف سیاسی اغراض کے لیے ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

شاعر ہو یا ادیب، مدبر ہو یا فقیہہ، زاید ہو یا رند، فقیر ہو یا امیر، ہر متنفس کو اس امر کی تمنا ہے کہ وہ موت کی حقیقت دریافت کرلے سب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ "موت کے بعد میرا کیا حشر ہوگا؟" آج یوروپ کا سب سے بڑا تونگر، ادیب، عالم، سایس اور تاجر اگر موت کو یاد کرے تو اس کی کامیابیاں اسکو صفر سے زیادہ نہ معلوم ہوں گی۔ اس مایوس احساس کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور یہ وہ احساس ہے کہ اگر تشنہ رہ جائے تو قبر میں حسرت ویاس کے ساتھ جاتا ہے، کیا حیات بعد الموت کا کوئی تخیل ہمارے ذہن میں ہے؟ کیا ہم اس کے لیے کوئی خاص راستے اختیار کر رہے ہیں۔ جواب نفی میں تو نہیں دیا جا سکتا، حیات بعد الموت پر غور و تفکر بھی ہے، عمل بھی لیکن محدود اور نامکمل ہے۔ میں سائنس، فلسفہ، سیاست اور تجارت کے جواب کا منتظر ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جواب کائنات کے ایک ادنی ترین جز کے لیے ہوگا۔ کل کے لیے نہیں۔

عاقبت اندیشی اور اسرار قدرت کے صحیح ترین انکشاف سے درگزر کیجئے۔ دنیوی زندگی کو لیجئے خانگی زندگی سے لیکر قومی زندگی کے مختلف علمی اور سیاسی مدارج پر نظر ڈالنے کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس زندگی کا کوئی خاص اجتماعی مقصد نہیں، اور نہ اس کا رخ کسی ایک منزل کی طرف ہے چنانچہ اس کا نتیجہ وہ عالمگیر بے اطمینانی ہے جو آجکل سارے دنیا میں برق کی طرح دوڑ رہی ہے

سیاست نے صلح وامن کے کیا پیام لایا؟ اخلاق نے کذب وافترا نفسانیت اور خود غرضی کو کس حد تک مٹایا؟ اور علوم عقلی نے حیات انسانی کے بعید ترین مستقبل کی کیا امیدیں دلائیں؟ اگر صلح وامن کا پیام نہیں، نفسانیت اور باطل کو شکست نہیں، اگر مستقبل کے امید افزا تصورات نہیں تو پھر اس بیدار عالم کی زندگی ایک بے کیف زندگی ہے۔ مہذب ترین قوم اور دولت مند ملک کا باشندہ ہونے کے باوجود بھی انسان ان آوازوں کو ترسے گا جو اس کو تھوڑی دیر کے لیے اس شورش عالم کو دور لے جاکر امن وسکون، محبت واتحاد اور خوش آیند مستقبل کی خوشخبریاں سنائے شاعر نے کیا خوب کہا ہے،

خوش باش دمے کہ زندگانی این است!

قطعہ

جناب غلام محمد انصاری صاحب وفا سابق مدیر تاج

مبارک وقت ہے عہد ہمایوں وہ بھی لاثانی
خوشی سے آج ہیں مصروف سب ہنسنے ہنسانے میں

مجھے حیرت تھی کیا باعث ہے آخر اس مسرت کا
گرہ یہ بندگی ہے کیسے بیگانے یگانے میں

کہا تائید غیبی نے کہ تقریب مبارک ہے
شہ ملک دکن کی آج کل شاہی گھرانے میں

عقیدت نے کہا مجھ سے کہ تو بھی مدح شاہی لکھ
گرہ کے سال کی ہے دھوم اب سارے زمانے میں

یہ ہے ظل الہی مدح اس کی فرض ہے تجھ پر
مقدر تیرا جاگ اٹھے عجب کیا اس بہانے میں

کہا میں نے کہ جس کی مدح شاہوں کی زباں پر ہو
مزہ کیا آئے گا پھر ایک مفلس کے ترانے میں

ظفریابی ہو جس نے دل پہ ملکی غیر ملکی کے
نہ رکھی ہو کبھی تخصیص کچھ اپنے خزانے میں

سخاوت، معدلت میں اس کا شہرہ آج گھر گھر ہے
دھرا ہی کیا ہے کسریٰ اور حاتم کے فسانے میں

نظیر اس کی حکومت کی نہیں ملتی نہیں ملتی
سبھی کچھ گرچہ ہے یوں تو خدا کی کارخانے میں

عقیدہ مدح میں لکھتا وفا دل نے کہا لیکن
صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

حیدرآباد کی صنعتی پستی

از

جناب مولوی حبیب اللہ صاحب رشدی ام اے عثمانیہ مدیر نظام گزٹ

حیدرآباد کا رقبہ انگلستان کے رقبہ کے تقریباً برابر ہے لیکن دنیا میں ان دونوں کی حیثیتوں میں کتنا عظیم الشان فرق ہے ؟ یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے کہ انگلستان کو ہندوستان کے قبضہ نے اتنی ترقی دی کہ وہ آج دنیا کی پہلی تین قوتوں میں شمار ہوتا ہے ذرا اس کا تصور کیجئے کہ اگر انگلستان کی تاریخ میں ہندوستان کا کوئی حصہ نہ ہوتا اور انگلستان و ہندوستان سے ایسا ہی بے تعلق ہوتا جیسا کہ آسٹریا یا اطالیہ رہے ہیں تو آج انگلستان کی کیا حالت ہوتی ؟ مانا کہ کناڈا جنوبی آفریقہ اور آسٹریلیا کے وسیع رقبے بھی اس کو مل جاتے لیکن ایسی غیر آباد زمینوں کے حاصل ہو جانے سے کسی ملک کا ایسی ترقی کرنا لازمی نہیں ہے جیسی کہ انگلستان کو نصیب ہوئی۔ اس کی وجہ نہ صرف تجارت اور دولت کی ترقی ہی ہے بلکہ سیاسی تجربے فوجی آزمایشیں، علمی تحقیقات کے مواقع اور انگریزوں کے حوصلہ مند افراد کی ایک کثیر تعداد کے لیے میدان عمل کا مل جانا اور ان سب کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور دماغی قوتوں کا ابھرنا بھی وہ ضروری اسباب ہیں جو ہندوستان کی بہ دولت انگلستان کی ترقی کا باعث ہوئے۔

یہ سوال کہ انگلستان کو ہندوستان سے کیا فایدے حاصل ہوئے ایک جداگانہ بحث کا محتاج ہے اور اس کی تفصیل میں شاید کئی کتابیں لکھی جا سکیں تاہم صرف یہ مان لینے کے بعد کہ انگلستان کی موجودہ عظمت اور اہمیت صرف ہندوستان کی مرہون منت ہے ، یہ واقعہ کتنا عجیب اور کتنا دلچسپ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمانے کی ذمہ دار حیدرآباد ہی کی ریاست ہے ادہر تو اس کے حلیف نہ صرف آہستہ آہستہ ہندوستان کے مالک بن گئے بلکہ دنیا میں ان کی قوت اول درجہ پر آگئی۔ اور ادہر اس ریاست کی حالت جتنی کی اتنی بھی نہ رہی اس کی حالت بالکل ایسے ملاح کی معلوم ہوتی ہے جو چڑھتے دریا میں اولو العزم مسافر کو اپنی کشتی میں بٹھا کر دریا پار پہونچا دے اور پھر خود اپنی جگہ واپس آجائے زندگی کے راستہ پر سفر کرنے والا مسافر ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور ہر لمحہ آگے بڑھتا ہی جاتا ہے لیکن کٹھن دریا سے پار کرانے والا ملاح وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔

جس طرح فرد کو اپنی سعی کا ثمر ملنا ضروری ہے ویسے ہی قوم کو۔ اگر ملاح کی تمثیل ہی کو قایم رکھیں تو یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اس ریاست کی ملاحی بھی مشکلوں کے دریا کو پار کرنے کی حد تک ہی محدود تھی سعی اور جد وجہد کرنا بڑھنے والے مسافر کا اپنا فعل تھا۔ لیکن اس تمثیل سے یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا حیدرآباد کو صرف اسی قسم کی ملاحی کرنا ہے یا اس کو بھی بڑھنے کی کوشش اور حوصلہ پیدا کرنا چاہیے۔ حوصلہ مندی کا

صہ ۱۰۴

بیج بہت پہلے بو یا جانا چاہیے تھا کہ آج ہم اس کا ثمر دیکھتے لیکن نہ بویا گیا۔ لیکن کیا گزشتہ فروگزاشتوں پر افسوس کرتے ہوئے بیٹھے ہی رہنا چاہیے یا کچھ تلافی مافات کی فکر بھی ضروری ہے ؟

ہم نے مانا کہ ترقی کی دوڑ میں جو آگے نکل گئے ہیں ان تک پہونچنا محالات سے ہے لیکن موجودہ وقت ...... اور قوت فاعلہ کو بھی ضایع کرنا کوئی دانائی کی بات ہے ؟ کیا اب اتنی مہلت باقی نہیں ہے کہ اور بہت سے سست رووں سے آگے رہنے کی کوشش کریں جو ملک آج بیدار ہو رہے ہیں وہ کل ہم سے بڑھے ہوئے نظر آئیں گے اس لیے کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم جلد سے جلد آمادہ سفر ہو جائیں یہی مسئلہ ہے جس پر ہمیں اب غور کرنا ہے۔

کہتے ہیں کہ جاپان مدت سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ کسی نہ کسی وقت اس [illegible] امریکہ سے دو بدو ہونا پڑے گا اس اہم خیال کو ہمیشہ تازہ رکھنے کے لیے جاپانی مدبرین نے یہ ترکیب نکالی کہ ہر مدرسہ میں ہر طالب علم سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ انھیں تعلیم کیوں دی جاتی ہے ؟ جواب ملتا ہے "کسی دن امریکہ سے مقابلہ کرنے کے لیے"۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو غور کیجئے کہ ایا ترقی یافتہ ملک جو آزاد ہے اپنی ضروریات آپ فراہم کرتا ہے کسی کا دست نگر یا محتاج نہیں اور دنیا کی

سیاسیات میں اپنا وزن رکھتا ہے وہ بھی ایک آنے والے خطرہ سے اتنا چوکنا رہتا ہے پھر ہمارے ملک کو دنیا میں اپنا صحیح موقف حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہ کرنا چاہیے؟

سوویٹ روس کو اس کا بڑا رنج ہے کہ اس کے ہاں یوروپ اور امریکہ کے جیسے اہل دماغ نہیں سائنس داں نہیں، ماہرین فن نہیں لیکن جو کچھ اس کو حاصل ہے اس سے وہ پورا کام لے رہا ہے۔ اور آج دنیا کے لیے ایک ہوّا بنا ہوا ہے لیکن روس کے مقابلہ میں ہمیں ان چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزوں کے نہ ہونے کا رنج ہے لیکن فرق یہ ہے کہ روسی سخت جدوجہد میں مصروف ہیں، مایوس نہیں، ہم مایوس ہیں اور اتنی بھی جدوجہد نہیں کر رہے ہیں جو دنیا کے معمولی ملک کرتے ہیں اگر روسی مدبر ہماری حالت کو دیکھ لیں تو اپنے ہاں اہل دماغ کے نہ ہونے کی شکایت نہ کریں۔

ہندوستان میں عام طور پر "ترقی" کی چیخ و پکار آدھی پون صدی سے شروع ہوئی لیکن حیدرآباد میں اس کی گونج غالباً ابھی تک نہیں پہونچی۔

کیا تعلیم ترقی کا واحد ذریعہ ہے؟

سرسید مرحوم کا عقیدہ تھا کہ ترقی کے لیے تعلیم لازمی ہے یہ خیال نہ بالکل غلط ہے اور نہ بالکل صحیح۔ قومی ترقی کے عام رجحانات میں تعلیم بھی ایک ضروری جزو ہے لیکن وہ صرف ایک جز ہے۔ تعلیم ہی کو ترقی کا واحد ذریعہ سمجھ لینا ایک غلطی ہے اور اس کا ثبوت اس واقعہ سے مل سکتا ہے کہ علم کے اس عظیم الشان مرکز سے جس کا سنگ بنیاد سر سید مرحوم نے رکھا تھا کوئی ایسی لہر نہیں پیدا ہوئی جو عام قومی ترقی کی "بسم اللہ" ہی ثابت ہوتی۔ سر سید مرحوم کے خلوص اور پاک طینتی میں کس کو شبہہ ہو سکتا ہے تعلیم کی عام برکتیں جو علی گڑھ کے سرچشمہ سے حاصل ہوئیں ان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اچھے اچھے ادیب اعلیٰ درجہ کے مقرر سیاست داں عمرانیات کے ماہر، دستور ساز افراد جو بھی مسلمانوں میں نظر آتے ہیں ان کا بڑا حصہ علی گڑھ کی پیداوار ہے لیکن ان سب کے وجود نے مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ اور قومی زندگی کی ضروریات میں مسلمان ویسے ہی بے دست و پا ہیں جیسے پہلے تھے۔ یہ حال اس تعلیم گاہ کا ہے جو ہندوستان میں سب سے اعلیٰ درجہ کی ہے ان کے سوا جتنی اور درس گاہیں ہیں وہ بہ حیثیت پیداوار کے اس سے بھی کم حیثیت رکھتی ہیں اور وہ دفاتر کے منشی پیدا کرنے کے کارخانے بنی ہوئی ہیں۔

بدقسمتی سے سرسید کے بعد ان کے جانشینوں میں سے کسی میں اتنا خلوص تھا اور نہ سچا ذوق عمل۔ نہ تجربہ اور نہ دور بینی کا اعلیٰ مادہ جو سید مرحوم میں ودیعت کیا گیا تھا۔ ان جانشینوں میں اگرچہ ہر شخص اپنا اپنا اضافی مرتبہ ضرور رکھتا تھا لیکن کسی نے اس درس گاہ کے اصلی کام اور اصلی تقاضوں کی طرف توجہ نہیں کی اور مدرسۃ العلوم جوں کا توں مدرسہ ہی رہا۔ اس سے میرا مطلب یہ ظاہر کرنا ہے کہ کس طرح تعلیم ترقی کا واحد ذریعہ نہیں ثابت ہو سکتی ان داخلی تجربوں کو چھوڑ کر ذرا خارجی تجربوں پر نظر ڈالیے تو اور بھی اس کا کافی ثبوت مل جائے گا یوروپ امریکہ اور جاپان کی موجودہ ترقی صرف تعلیم کی ممنون نہیں ہے جیسا کہ میں پہلے اعتراف کر چکا ہوں منجملہ اور اہم اسباب کے تعلیم بھی ایک سبب ہے لیکن صرف تعلیم ہی کو ترقی کا واحد ذریعہ سمجھ لینا صحیح نہ ہوگا۔

تعلیم کے لحاظ سے حیدرآباد نے پہلے کی نسبت بہت ترقی کی لیکن یہ ترقی بھی اسی ترقی کا نقش ثانی ہے جو برطانوی ہند کے دوسرے صوبوں و تعلیمی مرکزوں میں ظاہر ہوئی پس کیا اہل ملک کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ تعلیم کے سوا اور اسباب کی بھی تلاش کریں اور نئے تجربوں کی طرف مائل ہوں؟

ملک کا مطمح نظر کیا ہونا چاہیے۔

"ترقی" یا "ملکی ترقی" کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی فطرتاً پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا مطمح نظر ہے جس کی طرف ہمیں بڑھنا ہے یہ وہ چیز ہے جو سب سے پہلے افراد قوم کے پیش نظر ہونی چاہیے۔

"ترقی" کا موجودہ مفہوم مادی ترقی سے ہے اور روحانی ترقی کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ ہندوستان اور عام طور پر سارا مشرق روحانی ترقی کی طرف بہت عرصہ سے مائل ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس راستہ میں مشرق کی کافی رہنمائی ہو چکی ہے مگر قوم کے سارے افراد روحانی ترقی ہی پر قانع نہیں ہو سکتے قدرت نے نسبتاً چند ہی افراد کو اس کا دل و دماغ دیا ہے اور وہ ہر حالت میں اپنے روحانی مطمح نظر کی طرف قدم اٹھاتے رہتے ہیں۔ بخلاف ان کے قوم کے اکثریت بغیر اس مطمح نظر کے زندگی بسر کرتی ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو اس طرف توجہ کرنے کی پرواہ بھی نہیں کرتے لیکن مادی ترقی کے لیے ایک عام مطمح نظر کی سب کو ضرورت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کے عام اور مشترکہ مطمح نظر کے علاوہ حیدرآباد کا کیا خاص مطمح نظر ہو سکتا ہے۔

انسانی معاشرہ کی ابتدا چھوٹے چھوٹے قریوں سے ہوئی ہے یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ابتدائی دور میں ہر قریہ اپنی ضروریات آپ فراہم کرتا تھا۔ معاشرہ کی ترقی کے اعتماد اور اشتراک عمل کو ترقی دی اور ضروریات زندگی کے تبادلہ کا دور آیا اقتصادیات کے بنیادی امور حسب حال قائم ہیں ہر قوم بڑی حد تک اپنی ضروریات آپ فراہم بھی کرتی ہے اور خاص خاص امور میں تبادلہ بھی کرتی ہے اس بنیادی چیز کو پیش نظر رکھ کر حیدرآباد پر نظر ڈالیے کہ وہ کس حالت میں ہے سب سے پہلے ملک کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی عام ضروریات کو خود پورا کرے البتہ بعض خاص ضرورتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کو پورا کرنا یا تو طبعی اعتبارات سے ناممکن ہوتا ہے یا اور ملکوں کو ان کے پورا کرنے میں آسانیاں ہوتی ہیں مثلاً خاص خاص معدنی اشیاء کے لیے معدنوں کا ہونا یا خاص لکڑی کی اشیاء کے لیے اس کے جنگلوں کا ہونا

جو بالکل ملک کے فطرتی حالات پر مبنی ہے۔

زراعت

ہندوستان کے زرعی ملک ہونے کے اعتبار سے حیدرآباد بھی زرعی اشیاء کے پیدا کرنے میں اپنا حصہ رکھتا ہے اور اب تک ملک کا جو کچھ بھی ذریعہ آمدنی ہے وہ زراعت ہی ہے لیکن ملک کی زمین سے پورا فایدہ نہیں اٹھایا جارہا ہے اس کا سبب مزارعین کا جمود اور زرعی تحقیقاتی کام کی کمی ہے۔

صنعت و حرفت

اب وہ ضروری شعبہ رہ جاتا ہے جس میں حیدرآباد کمترین درجہ رکھتا ہے۔ ملک کی طبعی دولت سے فایدہ اٹھانا اس ملک کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے اور طبعی دولت سے اسی وقت فایدہ اٹھایا جاسکتا ہے جبکہ ملک صنائع میں ایسا ماہر ہوکر اپنی ہر خام پیداوار کو استعمال کرسکے ہماری ریاست میں معادن کی خاصی تعداد ہے اور معلومہ معادن کے علاوہ اگر تفتیش کی جائے تو اور بہت سے معادن کے دریافت ہونے کی توقع ہے لیکن صنایع اور کلوں کے استعمال اور ان کی اہمیت سے بے پروائی کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم معلومہ معادن کو بھی خاطر خواہ کام میں نہیں لارہے ہیں بلکہ بعض معادن باہر کے لوگوں کو سپرد کرنے پڑے۔ مغربی ممالک اور جاپان کی ترقی میں صنایع کی ترقی پیش پیش رہی ہے صنایع کی ترقی سے کلوں کے استعمال کی ضرورت اور کلوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ کلوں کی ایجاد و اصلاح اور ترقی کا شوق لازمات سے ہے اور جب قوم کا رجحان اس جانب خاطر خواہ ہو تو پھر صنعتی تحقیقات کا شعبہ بھی چمک اٹھتا ہے موجودہ حالت میں حیدرآباد کی حالت ایک ایسے گنوار باورچی کی سی ہے جو پکانے کے مفید اور کارآمد فن نہیں رکھتا اور بہت برے انداز میں پکایا کرتا ہے اس کے گاہک بہت کم قدری سے اس کا پکوان خرید لیتے ہیں اور اس کا عوض بہت گھٹیا اشیاء زندگی کی صورت میں اس کو دیدیتے ہیں اور باورچی خود اپنی فراہم کی ہوئی

اشیاء کی قدر و قیمت نہیں جانتا وہ ذراسی کوشش میں اچھے برتن حاصل کرسکتا ہے اچھا پکا سکتا اور کہیں زیادہ قیمت پر اپنا پکوان فروخت کرسکتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے افتتاح تک حیدرآباد کے دفاتر میں "منشی" بھی دوسرے علمی مرکزوں سے بہم پہونچائے جاتے تھے یونیورسٹی نے اتنا تو کیا کہ کچھ مفید مطلب "منشی" کم داموں پر مل جانے لگے۔ اور اگرچہ ابھی تک اس یونیورسٹی نے اس کثرت سے گریجویٹ نہیں ڈھالے ہیں جتنے کہ ہندوستان کی کوئی اوسط درجہ کی یونیورسٹی ڈھالتی ہے لیکن ملک میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کثرت سے پریشانی کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔

بعض تعلیم یافتہ کوتاہ نظر افراد کے ذہن تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کثرت پر ایسے گھبرا اٹھے ہیں کہ وہ بجائے اعلیٰ تعلیم کے حرفتی تعلیم کو (جو ان کی نظر میں نجاری لوہاری بدبافی اور پارچہ بافی وغیرہ کی حد تک محدود ہے) آئندہ نسلوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ کیا ایسی حرفتی تعلیم کا جو صرف چند ادنیٰ پیشوں کی تربیت کہی جاسکتی ہے یہ نتیجہ نہیں نکلے گا کہ بجائے منشیوں کے بڑھئیوں، لوہاروں، بدبافوں اور پارچہ بافوں وغیرہ کی ملک میں کثرت ہوجائے۔ اور ان کی کثرت ان کی بیکاری کا ایسا ہی مسئلہ پیدا کردے جیسا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی کثرت سے ان کی بیکاری کا حل طلب مسئلہ پیدا ہوگیا ہے؟ جو لوگ صنعت و حرفت کو مذکورۂ بالا چند پیشوں تک محدود سمجھتے ہیں، ہمیں ان کی اس کوتاہ نظری اور تدبر کی کمی کا کوئی علاج نظر نہیں آتا۔

دنیا دستکاری کے دور سے گزرچکی ہے۔ انسانی عقل اور تحقیقات نے انسانی قوت کی جگہ فطرت کی قوت سے کام لینا سیکھ لیا ہے۔ اسٹیم انجن کو ایجاد ہوئے تقریباً سو برس ہوچکے ہیں۔ اس سے بھی آسانی سے کام دینے والی برقی قوت سے تمام دنیا مدت سے کام لے رہی ہے ایسی حالت میں دستکاری کی تعلیم کو عام

کرنا اور ملیت کاروں کی تعداد میں اضافہ کرنا کہاں تک عقلمندی کی بات ہے ترقی کی دوڑ میں دنیا سے آگے بڑھنے کیلیے برقی قوت سے تیز تر اور سستی قوت کا دریافت کرنا ہی بہت ضروری بات ہے کہ لیکن یہ ترقی عام سطح کے مطابق ہونگی ہی نہیں کرنی چاہیے صنعت و حرفت کا مفہوم صرف ان چند پیشوں کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ قلیل ترین انسانی محنت سے آلات اور کلوں کے ذریعہ کمترین لاگت پر زیادہ سے زیادہ اشیاء ضرورت تیار کی جائیں۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر دنیا کی ترقی یافتہ قومیں آئے دن نئی نئی کلیں ایجاد کرتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ مصنوعات کے تیار کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہیں پہلے اس اصول کو ذہن نشین کرلینا چاہئے اور پھر ملک کی ضروریات پر نظر ڈالنی چاہیے کہ ہم ان میں سے کتنی ضرورتوں کو خود مہیا کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا قدم ان ضرورتوں کے مہیا کرنے کے بہترین طریقوں کو اختیار کرنے کی طرف ہونا چاہیے

محکمۂ صنعت و حرفت پر ایک نظر

اگر کوئی ملک بیدار ہو اور حکومت غافل تو کسی نہ کسی طرح ملک خود حکومت کو بیدار کردیتا ہے اگر آسان تدبیروں سے نہ ہو تو انقلاب اور بغاوت کی شدید صورتیں رونما ہوجاتی ہیں جہاں ملک ہی غفلت اور پستی کی حالت میں ہو وہاں حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ملک کو بیدار اور باعمل بنانے کی کوشش کرے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ہماری حکومت نے صنعت و حرفت کی اہمیت کو محسوس کرکے ایک محکمۂ صنعت و حرفت قایم کیا جس کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ اہل ملک کو صنعت و حرفت کا شوق دلائے صنعت و حرفت کی ترقی میں اہل ملک کو مدد اور عام کام انجام دے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس محکمہ نے بجا طور پر اپنا فرض انجام نہ دیا ملک میں صنایع کو ترقی دینے کی اگر سچی کوشش کی جاتی تو آج یہ محکمہ ملک کا اہم ترین محکمہ نظر آتا اور اہل ملک اس محکمہ کے قیام پر حکومت کے شکرگزار نظر آتے۔ ہندوستان کے اور صوبوں میں جہاں اس قسم کے محکمۂ صنعت و حرفت

قایم ہیں اور واقعی اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اسکا ثبوت اس صوبہ کی مصنوعہ اشیاء سے مل سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بمبئی کے اس محکمہ کی ذراسی کوشش کا نتیجہ دیکھیے کہ دیا سلائی کی صنعت کے کئی کارخانے بمبئی میں قایم ہو گئے اور اب تقریباً سارے ہندوستان کے بازار ان کارخانوں کی دیا سلائیوں سے بھرے نظر آتے ہیں۔ حیدرآباد میں اس محکمہ کو قایم ہوئے اتنا عرصہ ہوا لیکن ابھی تک یہ کسی خاص صنعت کو فروغ دینے کا دعوی نہیں کر سکتا اس کے سوا ملک میں اس محکمہ سے کچھ بیزاری سی پیدا ہو چکی ہے اور حالیہ دور میں چار مینار سگریٹ فیکٹری کی خرید و فروخت میں اس محکمہ کا دخل ایک عام ناراضی کا باعث بن گیا جس کو اگرچہ اس محکمہ نے اپنے ایک کمیونک کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی لیکن پبلک کی بدگمانی اسیطرح قایم ہے اس کے ایک واقعہ کے علاوہ کاروباری حلقوں میں یہ افواہ بھی گرم ہے کہ اس محکمہ نے گول گنبدہ سگریٹ نیا کٹری کو ہنتوں کا اضافہ کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اس افواہ نے اس پہلی بیزاری میں اور زیادتی بھی پیدا کر دی اور محکمہ کے اس پریس کمیونک کا اثر تقریباً زایل ہو گیا۔

ایک ایسے محکمہ کا جس کو اہل ملک میں بہت سر دل عزیز ہونا اس کے فرائض میں آسانی کا باعث ہو سکتا ہے جس سے ملک کی حقیقی ترقی کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے اس طرح اپنی مقبولیت کو کھو دینا بہت افسوسناک بات ہے حکومت کا فرض ہے کہ جلد سے جلد ان امور کی تحقیقات کر کے ایسے اسباب کو دور کرے جو محکمہ صنعت و حرفت سے عام بیزاری کا باعث ہوئے ہیں۔ اور ان تدابیر پر غور کرے جن سے یہ محکمہ مقبولیت عامہ حاصل کر سکتا ہے مذکورہ بالا اسباب کے علاوہ اس محکمہ کی عام کارکردگی کی بھی شکایت سنی جاتی ہے اس محکمہ کو اپنے دفتری کارروائی میں ایسا مستعد اور سریع العمل ہونا چاہیئے کہ عوام کو اس دفتری لعنت سے نجات ملے جو عرف عام میں "پیروی" کہلاتی ہے۔

غرض صنعت و حرفت کے شعبہ میں صحیح رہنمائی کرنا نہ صرف صنعتی ضروریات ہی پورا کرنے کے لیے ضروری ہے بلکہ صنعتی ترقی سے زراعت کے لیے بھی آلات کے تیار کیے جانے کی امید کی جا سکتی ہے جیسا کہ مغرب کے اکثر ترقی یافتہ ملکوں میں ان کا رواج ہوا ہے۔ ہندوستان کا کاشتکار ابھی تک اسی ہل سے کام لیتا ہے۔ جو غالباً ہندوستان کے پہلے کاشتکار نے ایجاد کیا تھا۔ برخلاف اس کے امریکہ انگلستان فرانس جرمنی اور ڈنمارک میں کاشتکار کی جسمانی محنت کا بہت سا حصہ آلات اور کلیں انجام دیتی ہیں کلوں اور آلات سے کم سے کم انسانی افراد زیادہ سے زیادہ پیداوار کو حاصل کر سکتے ہیں۔

اب ذرا پھر اس ملک کے مطمح نظر کی طرف توجہ کیجئے تو صاف ظاہر ہو گا کہ سب سے پہلے اس کو اس قابل ہو جانا چاہیئے کہ اپنی صنعتی ضروریات کو خود پورا کر لے اور اپنی زراعت میں بھی آلات سے کام لیکر زیادہ سے زیادہ پیداوار برآمد کرے اس کے بعد اس کو ایسی بڑی بڑی صنعتوں کا مرکز بننا چاہیے جس کی خام پیداوار کو یہی ملک بہم پہونچاتا ہے۔ کیا ملک کی اولوالعزمی کے لیے یہ شرمناک بات نہیں کہ یہیں سے خام پیداوار روانہ کی جائے اور اس خام پیداوار کی مصنوعہ چیزوں کو دس گنی بیس گنی قیمت پر پھر خریدتے۔ بڑی بڑی صنعتوں پر قابو پانے کے بعد معادن اور دیگر فطری ذخایر سے کام لینا باقی رہ جاتا ہے۔ اور یہ وہ درجہ ہے کہ اس حد پر پہونچنے تک حیدرآباد کی زندگی کے بے شمار شعبے اس سے متاثر ہو کر خود بخود ترقی کریں گے اور ہمارا ملک ہندوستان میں ایک وزن حاصل کرے گا۔

حکومت کو چند تجاویز

مذکورہ بالا مطمح نظر کو حاصل کرنے کے لیے ہم چند ابتدائی چیزیں ضروری سمجھتے ہیں جو ایسی ہیں کہ حکومت ہی انکو عمدگی سے انجام دے سکتی ہے۔ اور بعض کو صرف حکومت ہی کر سکتی ہے۔ ان میں سب سے پہلے ہم محکمہ اطلاعات کو سمجھتے ہیں۔

(۱) صنعتی محکمہ اطلاعات

ایسی بہت سی صنعتیں ہیں جو نسبتاً بہت کم سرمایہ سے چلائی جا سکتی ہیں اور ملک میں ان کی مانگ اتنی ہے کہ ہر صنعت بہت بڑے پیمانہ تک ترقی کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر دیا سلائی، قفل سازی، کاغذ اور مقوے کے ڈبے بنانا، ترکی ٹوپی بنانا آہنی فرنیچر بنانا، نقلی سینگ کے اشیاء بنانا بہت سی کیمیائی دوائیں بنانا۔ خام کیمیائی اشیاء بنانا وغیرہ ہیں۔ یہ اور ان کی جیسی بہت سی صنعت کے چلانے کے لیئے جرمنی، امریکہ اور جاپان میں ایسی مشینیں بنائی جاتی ہیں جو بہت کم قیمت ہوتی ہیں، یہ مشینیں ایسی ہیں کہ ان کے لیے بڑے کارخانہ ہی کی ضرورت نہیں بلکہ بہت چھوٹے پیمانہ پر کام چلایا جا سکتا ہے۔ ان صورتوں پر نظر رکھتے ہوئے حیدرآباد کو سب سے پہلے ایسے صنعتی محکمہ اطلاعات کی ضرورت ہے جو اہل ملک کو ہر قسم کی کاروباری اطلاعات فراہم کرے ایسی چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے آلات اور مشینوں کی پوری معلومات اپنے ہاں تیار رکھے۔

اس قسم کا کام جو چھوٹے پیمانہ پر چلایا جا سکے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے موزوں ترین ہے۔ ایک طرف تو وہ ایسی صنعت کو فروغ دے کر اپنا اونچا حوصلہ پورا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں، اور دوسری طرف ایسی صنعتوں میں اتنی آمدنی ہو سکتی ہے جو ان کی ملازمت کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہو۔ ایسے صنعتی محکمہ اطلاعات کے لیے ہم موزوں ترین مقام جامعۂ عثمانیہ کو سمجھتے ہیں جہاں سے تعلیم یافتہ نوجوان تعلیم کے ختم کرتے کرتے اپنے لیے کوئی نہ کوئی صنعت کو انتخاب کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس میں کسی قدر مہارت کی ضرورت ہو تو وہ بھی جامعہ ہی کے توسط سے حاصل ہو سکتی ہے اور پھر میدان عمل میں وہ اس صنعت کو اپنی پوری ہمت اور محنت سے چلا سکتے ہیں۔

صنعتی محکمہ اطلاعات اہل ملک کو اور کاروباری معلومات فراہم کرنے کا بھی مرکز بن سکتا ہے اور ملک کی ساختہ اشیاء کی برآمد کی بھی معلومات بہم پہونچا سکتا ہے۔

(۲) ٹریڈ کمشنروں کا تقرر

دوسری تجویز جس کو حکومت بروئے عمل لاسکتی ہے وہ ٹریڈ کمشنروں کا تقرر ہے۔ ہندوستان اور یوروپ کے اہم کاروباری مرکزوں میں حیدرآباد کے ٹریڈ کمشنر کی سخت ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں میسور کی ریاست لائق مبارکباد ہے کہ اس نے لندن میں اپنا ایک ٹریڈ کمشنر مقرر کردیا ہے اسی طرح اگر حیدرآباد بھی نہ صرف لندن بلکہ جرمنی اور امریکہ اور جاپان میں اپنا ایک ایک ٹریڈ کمشنر مقرر کردے تو ایک طرف وہ تجارتی معاملات میں اہل ملک کی مدد کریگا اور دوسری طرف اس ملک کی خاص چیزوں کی نکاسی کے لیے مفید کارکن ثابت ہوگا ٹریڈ کمشنر کی ضرورت صرف بیرون ہندوستان ہی نہیں بلکہ خود ہندوستان کے اہم تجارتی مرکزوں کلکتہ، بمبئی، مدراس، دہلی اور لاہور میں بھی اس کی ضرورت ہے بمبئی اور دہلی میں ہمارے اعلیحضرت خسرو دکن کے عالیشان محل موجود ہیں کیا یہ مفید نہ ہوگا کہ ٹریڈ کمشنر کے فرائض میں اس کی نگرانی بھی دے دی جائے اور اب نگرانی کا جو کام ایسے تنخواہ یاب ملازم کررہے ہیں جن کے ذمہ عملی فرائض نہیں ہیں وہی نگرانی کا کام اگر ٹریڈ کمشنر کے ذمہ ہو تو وہ ایک چھوٹے سے عملہ کے ساتھ۔ انھیں سرکاری محلوں کے کسی ملحقہ مکان میں اپنا دفتر رکھ سکتا ہے حیدرآباد سے جانے والے مسافروں کو خواہ وہ تفریح کی غرض سے جائیں یا تجارتی اغراض سے ٹریڈ کمشنر کا دفتر ممکنہ امداد کرسکتا ہے بہتر ہو کہ ہماری حکومت اس تجویز پر جلد از جلد غور کرے۔

(۳) صنعتی نمائشوں کا قیام

ایک اور اہم تجویز صنعتی نمائشوں کا قیام ہے جاپان نے ہندوستانیوں کے لیے کلکتہ میں ایک صنعتی نمائش قائم کررکھی ہے جس میں جاپان کی جملہ ساختہ اشیاء موجود ہیں اور نمائش کے کارکن ان اشیاء کے متعلق ہر قسم کے معلومات وغیرہ بہم پہونچاتے ہیں اور کسی کو کسی شے کی ضرورت ہو اسکی فراہمی کا انتظام کردیتے ہیں کیا اس نمونہ پر ہم اپنے ملک کی پیداوار اور خاص خاص صنعتوں کی نمائش قائم نہیں کرسکتے۔ ایسی نمائشیں بھی ٹریڈ کمشنر کے ماتحت کی جاسکتی ہیں جو اور کاروباری معلومات کے ساتھ حیدرآباد کی چیزوں سے بیرونی گاہکوں کو آگاہ کرسکتا ہے ایسی نمائشیں صرف ہندوستان ہی کے مرکزوں میں نہیں بلکہ خود اس ملک کے ہر ضلع میں قایم ہونی چاہیں اور یوروپ اور امریکہ وغیرہ میں بھی جہاں خام پیداوار کی مانگ ہو وہاں خام پیداوار کی نمائشیں ان ملکوں سے راست تجارت کا باعث ہوں گی اور بمبئی کلکتہ وغیرہ کے توسط سے اہل ملک کو جو مشکلیں پیش آتی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی۔

(۴) صنعتی تحقیقات کے ادارے

ان تجویزوں کے علاوہ ملک کو صنعتی تحقیقات کے اداروں کی بھی ضرورت ہے جو اس ملک کی پیداوار پر صنعتی نقطہ نظر سے تحقیقات کریں اور ایک طرف تو پیداوار کو عمدہ سے عمدہ کرنے کے طریقہ دریافت کریں اور دوسری طرف اس پیداوار کو مفید صنایع کے کام میں لانے کے وسیلے تلاش کریں یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ جو کیمیا و طبعیات کی انتہائی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کی معلومات کا صحیح مصرف صنعتی تحقیقات کے ادارے ہی ہوسکتے ہیں برطانوی ہند میں اس قسم کے بعض ادارے موجود ہیں ہم ان نمونوں پر اپنی ضرورت کے ادارے چلاسکتے ہیں

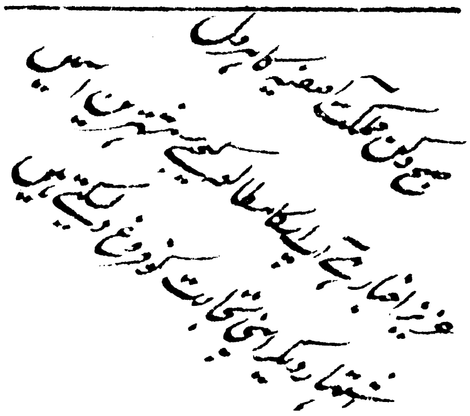

قطعہ تاریخ تہنیت شادی میمنت آبادی شہزادہ ولیعہد نواب اعظم جاہ و معظم جاہ بہادر

(از جناب اسد اللہ حسینی صاحب اسد)

ترکی شہزادی جو لاتے ہیں ولیعہد دکن
تہنیت کے لیے اٹھے ہیں امیر اور غریب
آج مطرب کو نئی طرز سے گانا ہوگا
شاہزادے جو ہیں نوشاہ تو شہزادی دلہن
عمر و اقبال ہوں دونوں کے زیادہ یارب
طرب انگیز یہ تاریخ اسد نے لکھی

گلفشانی کو ہے تیار ہر ایک اہل وطن
آج ہے پھولوں سے آباد زمانہ کا چمن
آج خوش خوش نظر آتے ہیں نیساں مردوزن
دُرِ شہوار چلی آتی ہیں بن کر دلہن
انپہ حضرت علیؑ اور فاطمہ ہوں سایہ فگن
بزم عیش دُرِ شہوار و ولیعہد دکن
۱۳۵۰ھ

بہ سیر باغ نیلوفر رسیدم
صدائے طوطیاں آنجا شنیدم
اسد ایں مصرع تاریخ گفتند
گل عقد معظم جاہ چیدم
۱۳۵۰ھ

خوشخبری

مصنفین و مؤلفین کی خواہش اور اہل (ملک کے)

اس لئے ہم نے لیتھو کی طباعت کے کاروبار کو اعلیٰ پیمانہ پر جاری رکھنے کے علاوہ
ٹائپ اردو، انگلش، تلگو، مرہٹی، ہندی، پانچ زبان میں عمدہ کتب و دیگر کام وغیرہ
اور ہر قسم کے بلاکس کی طباعت کا بہترین انتظام خاص اہتمام کیسا تھا ماہران فن کی
نگرانی میں کیا ہے

(ایک وقت)

آرڈر دیکر آزمائش فرمائیے

المشتھر

سید عبدالقادر تاجر کتب

(و)

مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

دنیا ہے ترقی تمہیں گر اپنے وطن کو ❁ لو اہل دکن شوق سے ایجاد دکن کو

اپنے ملک کے سرکاری کارخانہ کے صابن

استعمال کریں

جو ہر دوکان سے مل سکتے ہیں، نفاست پائیداری اور خوشبو میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں، اور قیمت میں بھی نسبتاً ارزاں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) گولکنڈہ ٹائیلٹ سوپس) گولکنڈہ ۸ و ۱۲ اونس صابن (۴)
(گلاب، لونڈر، صندل) (گولکنڈہ بار سوپ .... (۵)
(۲) گولکنڈہ نوبل باتھ سوپ (گولکنڈہ نوبل شیونگ اسٹک ... (۶)
(گولکنڈہ پاپولر شیونگ اسٹک ... (۷)
(۳) گولکنڈہ ٹرکش باتھ سوپ (گولکنڈہ کپ سوپ .... (۸)

فلیک سوپ (جو ہر قسم کے استعمال کیلئے نہایت بہتر ریشم و اونس کے لئے خاص صابن)

مندرجہ بالا صابن ہمارے ملک کے ہر طبقہ میں کافی شہرت پا چکے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھے جا رہے ہیں،

کارخانہ صابن سازی سرکار عالی مشیرآباد حیدرآباد دکن

زینت فرخندہ بنیاد

(۱) یوروپ امریکہ و ہندوستان کی طرز رہائش کے اصولوں پر تعمیر شدہ مکانات موزوں بستیوں میں کہاں ہیں؟

(۲) طاعون و ہر قسم کی وباؤں سے محفوظ رکھنے والے ارزاں قسم کے مکانات کس طرح تعمیر ہوتے ہیں؟

(۳) ہر ادنیٰ اسکام سے لیکر اعلیٰ ترین دانوکھی وضع کی تعمیر کا مشورہ کس سے ملتا ہے؟

(۴) بنے بنائے مکانات جنکی قیمت ایکہزار روپیہ سے لیکے کئی لاکھ روپیہ تک ہو کس کے توسط سے دستیاب ہوتے ہیں؟

(۵) بلدہ و مضافات و اضلاع سرکار عالی و سرکار عظمت مدار میں مختلف قیمتوں کی جائدادیں مثلاً اراضیات مزروعہ و غیر مزروعہ و مقطعہ جات، گاؤں بنگلہ جات، باغات وغیرہ وغیرہ کے ملنے کا پتہ کس سے حاصل ہوسکتا ہے؟

(۶) کیا بلدہ میں کوئی اس قسم کا غیر سرکاری سررشتہ ہے جہاں سے تعمیر مکان کے متعلق مشورہ یا عمارات زیر تعمیر کی نگرانی کسی ماہر فن سے حاصل ہوسکے؟

ہاں ان سب کا مفصل جواب

بلدہ کے واحد یونا فائڈ فرم

میسرز رحیم بخش خاں اینڈ کمپنی انجینئرز اسٹیٹ ایجنٹس ریزیڈنسی روڈ ترپ بازار سے مل کر یا لکھ کر مل سکتا ہے،

دل خوش کن سواری

یوں تو ٹکسی موٹریں بہت ہیں جو بالکل سستے داموں میں آپکی سواری میں آجاتی ہیں مگر ہمارا یہ معروضہ ہے کہ آپ کبھی ایسی موٹر میں بیٹھے جو دیکھنے میں شاندار اور بہترین ہونیکے علاوہ بیحد آرام دہ بھی ہو پھر دیکھئے آپ کا دل خوش نہ ہوجائے تو ہمارا ذمہ، ہمارے یہاں بہترین اور اعلیٰ درجہ کی موٹریں رات دن آپکی خدمت کیلئے موجود ہیں جس میں شاندار سکس سلنڈر گرام پیج بھی ہے، نرخ واجبی ایک دفعہ ضرور آزمائش فرمائیے

احمد موٹر ٹکسی کمپنی بازار عیسیٰ میاں حیدرآباد نمبر ٹیلیفون ۲۹۴

(کتاب) رہنمائے رخصت صرف دستگیر نیشنل مارٹ میں ملیگی

رخصت کس طرح ملتی ہے، کیا قواعد ہیں، استحقاق کب پیدا ہوتا ہے، غرض اس کتاب میں رخصت کے جملہ قواعد و ضوابط کے علاوہ الونس پیشگی تنخواہ دفعۂ معطلی وغیرہ کے متعلق پورے احکام سلیس عبارت اور عام فہم عنوانات میں مدون کئے گئے ہیں اس تالیف کے صلہ میں سرکار عالی نے تین سو روپے نقد انعام عطا فرمایا ہے اور قسمہ صادر ہے اسکی خریداری جائز قرار دیگئی ہے، صدر محاسبی سے اسکے پچاس جلد اور مجلس عالیہ عدالت سے (۱۱۱) جلد خریدے گئے ہیں، حجم ۲۶۰ صفحہ مجلد عہ غیر مجلد عہ محصول علاوہ

قریب چمن افضل گنج روڈ حیدرآباد دکن

ہمارے یہاں اس کتاب کے علاوہ روزمرہ کے ضروریات مثلاً صابن، تیل، کنگی، برش، توال، بنیان، پائتابہ، گنڈیاں، چا وغیرہ و دیگر ضروری عمدہ اشیا بکثرت موجود ہیں، جو بالکل واجبی داموں پر فروخت کئے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی خاص چیز سوان ہیرائیل سوان برلنٹین ضرور خریدیئے اس کے استعمال سے آپ بے حد خوش ہونگے

سوان ہیرائیل، برلنٹین۔ منتظر آرڈر منیجر،

عہ عہ

بیحد ممسک ادویات نیشاسپے پر ضعف اعصاب

قاطع باہ اور فالج و رعشہ و نامردی پیدا کرتی ہیں

حبوب شباب اور مقوی دل و دماغ و محرک باہ ہیں

اعصاب و عضلات کی حس و حرکت برا کرتیت و چالاک بناتی ہیں مایوس العلاج پیر و جوان کی گئی ہوئی قوت باہ ایک ہفتہ میں بحال کرکے جوش جوانی کو ابھارتی اور پیری میں لطف شباب دکھاتی ہیں جنہے ایک دفعہ استعمال کیں وہ ان کا مشتاق و مداح بن گیا بحالت جریان وہ احتلام شربت جانفزا و حبوب جریان قیمت فی شیشہ درجہ اول عہ اعلیٰ صہ ا اور درجہ خاص عہ

ذیابیطس کے دس برس تک کے مایوس العلاج

جو بلدہ کے نامور ویدوں حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج و انجکشن اور شرطیہ علاج کرنیوالے اشخاص کے معالجہ کے بعد بھی پیشاب کی کثرت و تواتر سے تنگ آکر اور جسمانی طاقت و قوت باہ کے زائل ہوجانے سے نیم جان تھے اور ایک صاحب ۶ برس سے علیل تھے اور جنرل ہاسپٹل میں ۲۰ روز رہکر علاج کرانیکے بعد بھی دن میں ۱۲ مرتبہ اور رات میں ۱۶ مرتبہ پیشاب کرتے کرتے لاچار ہوگئے تھے وہ سب ایک روز میں اثر دکھانیوالی حبوب ذیابیطس سے اچھے ہوگئے جنکی ثانی دنیا میں کوئی دوا نہیں ہے قیمت اعلیٰ عہ خاص عہ

پتہ ڈاکٹر نبی بخش ریٹائرڈ میڈیکل افسر روبرو محمد دفتر ٹیلیفون حیدرآباد

شاید آپکو اس کا علم نہیں!!!

کہ ہمارے یہاں

ہر قسم کی سلوائی کا کام ماہرین فن خیاط کی نگرانی میں کیا جاتا ہے، قمیص و پاجاموں کے علاوہ خصوصاً سوٹ اور شیروانیاں بالکل جدید مروجہ وضع فیشنیبل طریقہ پر حسب خواہش تیار کئے جاتے ہیں، ہماری فرم دو سال سے جس حسن خوبی کیساتھ یہ کام انجام دیرہی ہے وہ پبلک سے مخفی نہیں کام عندیہ دینے کا معقول انتظام ہے نرخنامۂ اجرت بالکل واجبی ہیں صرف ایکبار کی آزمائش اطمینان کے لئے کافی ہے

المشتہر فیاض علی حسین مالک نظامیہ ٹیلرنگ فرم افضل گنج حیدرآباد دکن

ہمارا اپنا سینما گھر!!!

بمقام پل چادرگھاٹ موسوم بہ

عروج پکچر پیالیس

بالکل جدید طریقہ پر نہایت خوشنما اور ہوادار تھیٹر ہال تیار کیا گیا ہے اور مقام اس قدر موزوں ہے کہ اسکو تفریح کی مرکز کہنا بیجا نہ ہوگا

مشہور و معروف جرمنی، انگریزی اور ہندوستانی فلم کمپنیوں کے بہترین اور اعلیٰ ڈرامے دکھلائے جاتے ہیں، جس میں عبرت اور نصیحت کا پہلو بھی شامل رہتا ہے، تفریحاً یہاں بھی تشریف لائیے تو ہمارے نئے سینما گھر اور تماشوں کو دیکھکر آپ بے حد محظوظ ہوں گے،

رعایتی اعلان تقریب سالگرہ مبارک

صرف ایکماہ کیلئے

گنجینۂ ہدایت یعنے بامحاورہ وسلیس اردو ترجمہ کیمیائے سعادت مصنفۂ حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ مع سوانح عمری وغیرہ از مورخ اسلام شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم صفحہ (۸۵۲) کاغذ چکنا قیمت فی جلد بجائے للعہ کلدار کے ہے سکہ عثمانیہ۔

ارمغان سلطانی معروف بہ سیر گلبرگہ جو تاریخی واقعات گلبرگہ شریف کا ایک مکمل اور سچا فوٹو ہے بزبان اردو قیمت بجائے ؎ سکہ عثمانیہ کے عہ

مساوات اسلام اور پردۂ نسواں جو مسلم خواتین کیلئے پردہ کی ضرورت اور بے پردگی کی مذمت پر قرآن مجید واحادیث شریف کے استدلال سے نہایت مدلل طور پر لکھا گیا ہے بزبان اردو قیمت بجائے ۶ر کے ۳ر

ترکاری کی کاشت (ذرایع آمدنی باغات) میں ترکاریوں کی کاشت کا وقت اور کاشت کا طریقہ اور کھاد کا بیان اور بیماریوں کا علاج اور آبپاشی وغیرہ وغیرہ۔ مصنفہ خاں بہادر عالی جناب شمس العلماء نواب عزیز جنگ بہادر کاغذ بہترین چکنا لکھائی چھپائی عمدہ ہے قیمت (عہ) سکہ عثمانیہ کے بجائے (عہ)

یادگار غالب جس میں مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے زندگی کے حالات اور انکی اقسام نظم ونثر اردو فارسی کا کلام اور ہر ایک جداگانہ ریمارکس مرتبہ شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کاغذ وچھپائی بہتر صفحات (۳۹۲) قیمت بجائے (سے) کلدار کے (عہ) عثمانیہ

جدید مرممہ نقشہ ملک سرکار عالی اردو تلگو مع رول پٹی پارچہ کلاں۔

فوجداری قانون کا پاکٹ بک مجلد دیواری سائز ۲۹ × ۲۸ قیمت (صہ) رعایتی (ہے) سکہ عثمانیہ۔ (۵۲) قوانین کا مجموعہ مجلد بجائے (ہلے) کے (للعہ) سکہ عثمانیہ اسیطرح (۱۱) قوانین کا مجموعہ بجائے صہ کے ؎ عثمانیہ

نوٹس آن اسلام انگریزی مجلد مصنفہ سر امین جنگ بہادر کے سی۔ آئی۔ ای سی۔ ایس۔ آئی قیمت مجلد (عہ) سکہ عثمانیہ۔

تاریخ ظفرہ برحالت دنیا، ترقی حیدرآباد دکن، سوانح وحیات فرماں روایان دکن بہ زبان فارسی کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی بہترین قیمت (للعہ) رعایتی (ؑعہ)

تاریخ سندہ حیدرآباد موسوم بہ غیر تکدہ سندہ۔ بحالات سندہ حیدرآباد قیمت (للعہ) رعایتی (عہ)

شرح دیوان صائب یہ شرح آجتک کمیاب اور نایاب تھی جس کو ہمنے بصرف زر کثیر طبع کرایا ہے قیمت ؎ رعایتی عہ

مرقع دکن دکن کے حالات میں بہترین گویا دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے قیمت عہ رعایتی (۱۴ر)

سال ۱۳۴۱ف کے ڈایریاں نصف قیمت (۸ر) چرم کیا لیکو (۱ر) خورد سالم کیا لیکو سالم چرم (عہ) کلاں کیا لیکو (عہ) چرم کیا لیکو (عہ) سالم چرم (عہ ۱۲ر)

رہبر سفر یوروپ مرتبہ مولانا نصیر الدین صاحب ہاشمی مددگار ناظم دفتر دیوانی سرکار عالی۔ سفر یوروپ کا تاریخی اسم بامسمی حالات دیکھنے کے قابل ہیں قیمت عہ رعایتی ۱۲ر۔

آثار دکن حیدرآباد دکن کے قدیم عمارات وآثارات کے (۵۷) تصاویر مع حالات دلچسپ کاغذ ولایتی مجلد سالم کیا لیکو دیدہ زیب قیمت فی رعایتی (صہ)

تمدن ہند یہ وہی قدیم تصنیف ڈاکٹر لی بان فرنچ کی جس کا اردو ترجمہ ہے پہلے کی طبع شدہ اور فوٹو (۱۴۹) اور دو نقشہ جات مجلد قیمت (صہ) رعایتی (صہ) مع خرچ ڈاک۔

المشتہر

سید عبد القادر تاجر کتب

وگورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر چار مینار حیدرآباد دکن

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر چار مینار حیدرآباد دکن

ممالک

سے پا خدمت

HAJI MAHOMED
TURKISH CAP & GENERAL MERCHANT
OOSMANI MART
CALENDER
13 41.F

MAHOMED
SALAR...
HYDERABAD DECCAN

...سب خواہش بلاد یورپ و ایشیا وغیرہ سے مختلف اشیاء جدید...

...قدیم گاہک اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ہم ہر ایک چیز اطمینان اور بھروسے کی سپلائی کرتے ہیں

راست بازی اور صداقت شعاری ہمارا نصب العین

...سے بہتر اشیاء فروخت کئے جاتے ہیں ساکنین اضلاع کے ... ایک ... ہے میں

...نمونہ دان سینے ابھی ابھی منگوایا ہے پس آپ حضرات سے توقع کی جاتی ہے کہ بذریعہ ٹیلیفون ...

... معاملگی کی آزمائش فرمائیں گے یا خود تشریف لا کر ہمارے ہاں کے کثیر اسٹاک کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

حاجی محمد ترکش کیاپ اینڈ جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگس

آ... نمبر ۹۴۶

اے ای جی

[illegible] کالب [illegible]
[illegible] اردو